فقرِ فرید
محمد بشیر اختر
محمد بشیر اختر ـــــ الٰہ آباد، بہاولپور ڈویژن
DATA ENTERED
(21)

طابع: محمد بشیر اختر

مطبع: نقوش پریس لاہور

کتابت: محمد صدیق جوکالو

سرورق: سیف رقم

قیمت: تین روپے

(21)

انتساب

اپنے والد مرحوم مولنا عبدالرحمن رح کے نام!

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زارِ توام
دگر کشادہ جبینم گلِ بہارِ توام

صاحب کتاب

الٰہی کیا تماشے ہو رہے ہیں خائف ہوں میں
یہ کانٹے بچھ رہے ہیں کیوں ترے پھولوں کی راہوں میں

غلامی کی ناہموار راہوں پر سفر کرتے وقت ان گنت لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ان میں کچھ تو دور کھڑے ہمارا تماشہ دیکھتے رہے۔ کچھ نے چند قدم ساتھ چل کر ساتھ چھوڑ دیا اور کچھ ایسے بھی آئے جنہیں راستے کی کوئی رکاوٹ اپنے ارادے سے روک نہ سکی۔ اگرچہ وہ اس بازار کی جنس نہیں تھے۔ تاہم ہمارے ساتھ برابر کے تول تلتے رہے۔

مولانا محمد بشیر صاحب اختر۔ اسی قطار کے لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں جنہیں ان کا جنوں ان صحرانوردوں میں لے آیا جن کی آبلہ پائی سے ٹپکتے ہوئے خون کے ہر قطرہ سے بعد میں آنے والے مسافروں کو منزل کا نشان ملتا ہے۔

اختر صاحب سے میری ملاقات احمد پور شرقیہ میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے توسط سے ہوئی تھی۔ اس واقعہ پر سے تیرہ برس گذر چکے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ زمانہ کی گردش سے چکار بہار و خزاں کی موسم اپنے دامن میں کبھی پھول لے کر آتے اور کبھی کانٹے لیکن اختر کی دوستی کا دامن میرے دامن سے ہنوز روز اول کی طرح بندھا ہے۔

خواجہ غلام فرید کو ملتان اور بہاولپور کے ادبی حلقوں میں وہی درجہ حاصل رہا جو اردو ادب

میں غالب کو ہے۔ خواجہ صاحب کی شاعری سندھ کے ریگستان سے بادِ سموم بن کر نہیں بلکہ نسیمِ سحری کی طرح (آساؔ[1]) میں ایسی سریں الاپتی ہے کہ مؤذن مسجد کے مینار پر اور حدی خوان ریت کے ذرات میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

ریت اور مٹی کے رہنے والے لوگوں نے فقیر کے اس راگ کو اپنی مضراب سے اپنے ہی دل کے تاروں پر گانا چاہا حالانکہ ریت اور مٹی کی دنیا میں اس مغنی نے جو گیت چھیڑا وہ دنیاوی تاروں پر گانے والا نہیں تھا۔

مولانا محمد بشیر صاحب اختر نے فقر فرید لکھ کر ان دلوں کو سوچنے کی ایک نئی دعوت دی ہے۔ جنھیں حقیقت اور افسانے میں امتیاز کی عادت نہیں۔ گو یہ کام بہت ہی کٹھن تھا لیکن اختر کا قلم اس خار زار سے اپنا دامن بڑی احتیاط سے سمیٹ کر لے گیا۔ اس پر راقم انھیں مبارکباد دیتا ہے۔ ریت اور مٹی کے ڈھیر پر بیٹھ کر فقر فرید ایسی اہم کتاب کو ترتیب دینا اردو ادب پر بہت بڑا احسان ہے۔ خدا کرے اختر بھائی کی یہ محنت مستقبل کے مسافروں کے لیے سنگ میل ثابت ہو۔ آمین

جانباز مرزا

مدیر مسئول ماہنامہ "تبصرہ" لاہور

---

[1] ایک راگ کا نام جو صبح اذان کے وقت تک گایا جاتا۔

حرفِ اوّل

کسی کی انفرادی یا اجتماعی زندگی پر کچھ لکھنا اس کی سیرت کے خدوخال کو نمایاں کرنا اور اس کے محاسن و محامد یا معائب و مثالب کی صحیح تصویر کشی کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے خصوصاً کاملین و عارفین کے سوانح و وقائع اور افعال و اطوار کو حیطۂ تحریر و تسطیر میں لانا اور زیادہ مشکل مرحلہ ہے۔ پھر جہاں علم و فضل کے یکتائے روزگار بزرگوں کے اشہب قلم سکندری کہا جاتا ہے وہاں مجھ ایسے ہیچمدان و ہیچمرز غریب کی کیا مجال تھی کہ وہ علم وافر کی کم مائگی اور فضل و ہنر کی بے بضاعتی کے باوجود اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھ کر بے پناہ مشکلات و مضرات کو دعوت دے بیٹھتا۔

اللہ جانتا ہے کہ راقم یہ جسارت ہرگز نہ کرتا مگر اس امید پر کہ بزرگانِ دین کے ذکر و فکر میں اپنی بے کار زندگی کے چند اوقات و لمحات صرف کرنے سے شاید یہ دنیا سدھر اور عقبیٰ سنور جائے سے

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اس دشوار گزار راہ پر متوکلاً علی اللہ چل پڑا۔ ع ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

ورنہ اپنی تہی دامنی سے بے خبر اصلاً نہیں تھا۔ السعی منا و الاتمام من اللّٰہ تعالیٰ اگرچہ راقم اباً عن جدٍ سلسلہ عالیہ قادریہ سے منسلک ہے اور گنجینہ معرفت سراج السالکین مرشدنا و مولانا خلیفہ غلام محمد قدس سرہ العزیز بانی دین پور شریف کے دستِ حق پرست پر سعادت بیعت سے سرفراز ہے اور اس آستانِ مبارک کے ہر ذرۂ خاک کو معدن عرفان و درمانِ دردِ نہاں پاتا ہے ؎

اُن کے حریم ناز میں عقل و خرد کو کیا دخل
جس کی گلی خاک کا ہر ذرہ جہانِ راز ہو

تاہم معرفت و سلوک کے دیگر سلسلوں کو بھی اسی محبت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتا اور شیوخ کے ہر سلسلے کو اسی طرح لائق صد تعظیم و ہزار تکریم سمجھتا ہے جس طرح اپنے پیشوایان روحانی کو!

اور انصاف تو یہ ہے کہ یہ بھی اسی دین پوری آستانِ عالیہ کا فیض ہے کہ آج اپنے دل میں ہر اہل دل و صاحب کمال بزرگ سے ارادت و عقیدت ہے ضد و کد نہیں۔ گویا ع

تری ذرہ نوازی نے مجھے اختر بنا ڈالا

چونکہ راقم مرحوم بہاولپور کا باشندہ ہے اس لیے زیب داستان و زینت قلم کے لیے اس سلسلے کے اذکار کو منتخب کیا ہے جس کے بزرگوں کی عظمت و ولایت کا سکہ بہاولپور کے طول و عرض میں ہر دل پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور وہ ہے خاندان کوریجہ فاروقیہ کا مقدس و مبارک سلسلہ ؎

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیئے

یہی وہ سلسلہ ہے جس کے روحانی تصرفات سے اس علاقے کا چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ بانصیب و بہرہ ور ہے اور اس گئے گزرے وقت میں بھی لاکھوں افراد بزرگان کوریجہ سے والہانہ عقیدت رکھتے اور خمخانہ فرید کے ہزاروں مست الست صہبائے فریدی کے جام لنڈھائے آتشیں چڑھاتے ہیں۔

مجھے اس احساس ندامت کے اظہار میں بھی کوئی تامل نہیں کہ اکثر مستانے حضرت فرید رحمۃ اور ان کے بزرگوں کے مقام رشد و ہدایت سے بالکل ناآشنا ہیں۔ حالانکہ نظامیہ چشتیہ سلسلہ کے ان مقدس نفوس نے دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت و اضاعت میں وہ خدمات انجام دی ہیں جن کی نظیر دور حاضر میں عسیر الوقوع ہے۔ ایک محرک یہی بھی ہے جس نے خاندان کوریجہ کے سوانح حیات لکھنے پر مجھے آمادہ کیا۔ تاکہ ذکر صالحین سے جہاں تزکیہ نفس ہو وہاں ان کی سیرت کے مطالعے سے حقیقت و روحانیت سے بے خبر اور دین اسلام کو اضحوکہ بنانے والے۔ خاندان چشت کے بزرگان دین کا مقصد حیات سمجھ۔ اور ان کی اقتدا و اتباع میں حیات اخروی کی متاع بے بہا سے بہرہ مند بن سکیں۔

اور زہے نصیب اگر موجودہ سجادہ نشینان کوریجہ اپنے سلف صالحین کے

دساتیر عمل کو اپنا نصب العین بنالیں۔

ان بزرگوں کے حالات جمع کرنے میں اپنی طرف سے عمداً کوئی کوتاہی روا نہیں رکھی اور پوری جد و جہد اور درایت و دیانت سے کام لیا گیا ہے مگر پھر بھی یہ احساس ضرور ہے کہ اس حق کو پوری طرح ادا نہیں کیا جا سکا اور اس کی وجہ وجیہہ یہ ہے کہ مواد نہ صرف کم بلکہ مواد رکھنے والے بعض حضرات نے اس معاملہ میں ناروا بے اعتنائی و بے التفاتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تاہم جو کچھ میسر آیا اسے کج مج اور غیر مربوط الفاظ میں پیش کرنے کی جرات کی گئی ہے اور جو کچھ معرض وجود میں آیا ہے وہ صرف بزرگان دین سے ارادت و عقیدت کا نتیجہ اور ان کے روحانی تصرفات کا کرشمہ ہے۔

متوقع ہوں کہ ناظرین اس ناچیز کی لغزشوں سے صرف نظر فرما کر عارفین کی سیرت و کردار کو اپنے لیے شمع ہدایت و مینار بصیرت بنائیں گے۔

آخر میں ہم ان مخلصین کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس کام میں ہماری دوست گیری فرمائی ہے۔ خصوصاً جناب خواجہ غلام ہوت محمد صاحب یا خواجہ تاج محمد صاحب کے بے حد ممنون کرم ہیں جن کے تعاون سے یہ کتاب عوام کے سامنے آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ

ایسے مخلصین کو دین و دنیا کی ترقیوں سے بہرہ اندوز فرمائے ۔

ننگ اسلاف

اختر الٰہ آبادی

بہاول پور ڈویژن

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ

(اقبالؔ)

حرفِ معتبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پنجاب میں
چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی تبلیغ

حضرت بابا فرید شکر گنج علیہ رحمۃ کے بعد سرزمین پنجاب میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی تبلیغ اور شیرازہ بندی حضرت خواجہ نور محمد صاحب مہاروی قبلہ عالم علیہ رحمۃ کی مرہون منت ہے مناقب المحبوبین میں لکھا ہے۔ پس اول سلسلہ بعد از حضرت گنج شکر از اولاد و خلفا ایشاں سلسلہ بریں ملک مذکورز حضرت خواجہ نور محمد مہاروی بود۔ (صفحہ ۱۰۶-۱۰۵)

حضرت قبلہ عالم علیہ رحمۃ حضرت مولینا شاہ فخر الدین صاحب دہلوی کے محبوب ترین خلفا میں سے تھے۔ ان ہی کے فیض صحبت سے بہرہ اندوز ہو کر گوہر عرفاں کی دولت حاصل کی۔ خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۵۰۶ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ فخر دہلوی علیہ رحمۃ قبلہ کا عالم کا خصوصی توجہ کا مستحق جانتے اور نوازتے تھے۔ مرشد کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ اٹھارویں صدی میں حضرت مہاروی علیہ رحمۃ نے تونسہ شریف، احمد پور، چاچڑاں، مکھڈ، گولڑہ، جلال پور وغیرہ مقامات کی خانقاہوں میں اپنے خلفا کے ذریعے چراغ ہائے ہدایت روشن کیے۔ ان برگزیدہ

خلفا میں سے ہم صرف حضرت قاضی محمد عاقل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے معزز خاندان کی سوانح نگاری کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

قاضی محمد عاقلؒ حضرت مہاروی قبلہ عالم کے ممتاز ترین خلفا میں تھے پنجاب میں نظامیہ سلسلہ کی اشاعت میں انھوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ چاچڑاں، کوٹ مٹھن، احمد پور شرقیہ وغیرہ مقامات کی خانقاہیں ان ہی کی ذات سے معرض وجود میں آئیں۔

مناقب المحبوبین صـ۱۲۳ میں لکھا ہے۔

ہزارہا مخلوق از دروازہ ایشاں فیضیاب شدند و صدہا صاحب خانقاہ از ایشان مبعوث شدند	ہزارہا مخلوق نے ان کے دروازہ سے فیض پایا اور سیکڑوں صاحب خانقاہ ان سے مبعوث ہوئے۔

خاندان و نسب

خواجہ محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ ایک معزز فاروقی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے اجداد شاہان مغلیہ و امرائے روزگار کی نظروں میں مقام توقیر رکھتے تھے۔ ان کے ایک بزرگ حضرت محبوب اللہ الصمد مخدوم نور محمدؒ تھے۔ ارادت خاں وزیر شاہجہاں ان کا مرید تھا۔ شاہجہان نے ان کو پانچ ہزار بیگھہ زمین اخراجات کے لیے دی تھی اور ایک طویل مضمون کا فرمان ۱۰۴۴ھ کو لکھا تھا۔ جس سے شاہجہان کی عقیدت اور مخدوم نور محمدؒ کی فضیلتِ طریقت کا پتہ چلتا ہے۔

مناقب فریدی میں عالمگیر اور شاہان مغلیہ کے فرامین درج ہیں جن سے معلوم

ہوتا ہے کہ انھوں نے اس جاگیر کو برقرار رکھا اور شاہ نور محمدؒ کوریجہ سے وابستہ عقیدت یہ ہے۔ نور محمد کوریجہؒ کے تین فرزند تھے۔

۱۔ سلطان مخدومؒ

۲۔ مخدوم محمد یعقوبؒ

۳۔ حاجی محمد اسحاقؒ

اول الذکر نے لاولد انتقال فرمایا۔

موخر الذکر کی اولاد بہروالی ضلع ڈیرہ غازیخان میں آباد ہو گئی۔

محمد یعقوب صاحب کے دو بیٹے ہوئے۔

غلام حیدر کوریجہ جو دریائے سندھ کے کنارے یاراوالی میں عالم برزخ کی سیر فرما رہے ہیں۔

حضرت محمد شریف صاحب کوریجہ۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک قاضی نور محمد صاحبؒ۔ دوسرے ہمارے موضوع سخن کے برگزیدہ اور محبوب فرد، حضرت قاضی محمد عاقل صاحبؒ ہیں۔ تکملہ میں خواجہ گل محمد صاحب احمد پوری لکھتے ہیں کہ محمد شریف صاحب کوریجہ مرتاض بزرگ عالم باعمل اور زہد و توکل میں یگانہ روزگار تھے۔[1]

یاراوالی میں مقیم ہو گئے تھے۔ کثیر تعداد میں لوگ اُن کے مرید ہوئے اور استفادۂ روحانی کیا۔

---

[1] تکملہ سیر الاولیا صد ۱۳۸

کوٹ مٹھن

مناقب فریدی کی روایت ہے کہ جب مخدوم محمد شریف صاحب کوریجہ یارادالی میں قیام پذیر ہوئے تو مٹھن خاں بلوچ رئیس یارادالی آپ کا مرید ہو گیا۔ ایک دن آپ کا گذر اس جگہ سے ہوا۔ جہاں اب کوٹ مٹھن آباد ہے دریا کے کنارے یہ خوشگوار اور پر بہار جگہ دیکھ کر آپ نے خاں موصوف سے فرمایا کہ اس جگہ شہر کی بنیاد رکھی جائے۔ اور وہ اللہ والوں کا مسکن ہو۔ مٹھن خاں نے ایمائے مرشد پر تسلیم و رضا کی گردن جھکا کر شہر کی بنیاد رکھ دی اور اپنے راہبر طریقت سے عرض کیا کہ وہ خود اس مقام کو اپنا مستقر بنائیں اس طرح سے کوٹ مٹھن وجود میں آیا اور ایک مرد خدا آگاہ نے اسے اپنی رہائش سے زینت دوام بخشی حضرت مخدوم محمد شریف صاحب کی موجودگی کے باعث دور دور سے علماء مشائخ وہاں آ کر جمع ہو گئے علمی اور روحانی مشاغل کی دھوم مچ گئی اس علاقہ کی ویرانی شادابیوں سے اوج ترقی کو پہنچ گئی یہ خراب آباد جگہ علم کے مشاغل کا مرکز بن گئی۔ علوم ظاہری و فیوض باطنی کی فراوانیوں سے لوگ سرفراز ہوئے۔ تکملہ سیر الاولیا کی روایت واضح طور پر بتلاتی ہے کہ قاضی محمد عاقل صاحبؒ کے والد محترم مخدوم محمد شریفؒ عالم باعمل اور محدث فرد دوراں تھے۔[1]

---

[1] تکملہ سیر الاولیا صفحہ ۱۳۹

کوریجہ لقب شاہی فرامین و دیگر اوراق سیر میں حضرت قاضی محمد عاقل علیہ رحمۃ کے بزرگوں کا لقب کوریجہ ملتا ہے جس کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ خواجہ صاحب کے ایک بزرگ ایک دن مسجد میں آئے اور پوچھا کہ کیا کسی نے اذان کہہ دی ہے لوگوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے مٹی کے ایک برتن کو جو قریب ہی رکھا تھا اٹھایا اور کہا کہ اے کوزہ تو اذان کہہ۔ اس وقت سے ان کو کوریجہ کہنے لگے کوزہ کو سندھی زبان میں کورا کہتے ہیں چنانچہ یہ لفظ کوراجو ہو گیا جس کے معنی کوزہ بگو ہوا۔ رفتہ رفتہ کوراجو سے کوریجہ ہو گیا اور یہی لفظ آج تک اس خاندان کا طرۂ امتیاز ہے۔

اہل اللہ کی کرامت یقینی اور حق و صداقت کا مقام رکھتی ہے۔ ایسے خوارق کا ظہور میں آنا اور تصرفات کی جھلکیاں دیکھانا عقل و دانش کی دسترس سے باہر ضرور ہیں مگر انعام ایزدی جو بندگان خاص پہ ہوا کرتا ہے سے قطعی دور نہیں۔ اس لئے ع

مردہ بھی بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

تعلیم مناقب فریدی[1] میں پایا جاتا ہے کہ قطب دوراں حضرت خواجہ محمد عاقل صاحب علیہ رحمۃ نے بہت ہی تھوڑی

---

[1] مناقب فریدی صفحہ ۵۰

عمر میں کلام پاک حفظ کر لیا تھا عنفوان شباب ہی میں اپنے فاضل باپ کے ہاں علم و ادب کی چاشنیاں چکھیں اپنے والد کے علاوہ حضرت شاہ فخر الدین صاحب دہلوی اور اپنے مرشد حضرت قبلہ عالم مہاروی سے بھی تحصیل علوم کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہوئے حضرت شاہ صاحب دہلوی نے ان کو شرح عبدالحق اور سواء السبیل کا درس دیا تھا۔ خواجہ مہاروی علیہ رحمۃ سے انہوں نے سند حدیث لی تھی جو تکملہ سیر الاولیا میں سلسلہ حدیث اس طرح درج ہے۔ شیخ محمد عاقل شیخ نور محمد شیخ فخر الدین دہلوی شیخ نظام الدین الغوری ثم اورنگ آبادی شیخ حافظ محمد اسعد الانصاری المکی ثم اورنگ آبادی شیخ محمد طاہر بن شیخ محمد ابراہیم کردی شہر لوزی شیخ محمد ابراہیم کردی۔

خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی قوت حافظہ نہایت عمدہ تھی جزوی مسائل تک صحت اور حوالوں کے ساتھ ان کو یاد تھے خواجہ گل محمد صاحب احمد پوری رقمطراز ہیں۔

در عصر خود تش قاعر با مماثل آنحضرت در علم ظاہری ہم کسے نبود	شرقا و غرب ہیں ان کی مثل اس زمانہ میں علم ظاہری میں کوئی نہ تھا۔

۱۔ تکملہ سیر الاولیا صفحہ ۱۸۰ و ۱۷۹

درس و تدریس

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہزاروں شائقین علم و ادب نے فائدہ اٹھایا آپ نے کوٹ مٹھن میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک مدرسہ قائم کیا جلیل القدر علماء اس مدرسہ میں ملازم تھے۔ خود خواجہ صاحب رح ستو سے زیادہ طلبا کو درس دیتے تھے۔ اور لنگر خانہ سے علماء طلباء کی سہولتیں مہیا فرماتے۔ اشاعت علم دین کا اسقدر احساس اور خیال تھا کہ جب کوٹ مٹھن سے شیدائی تحصیل الہ آباد حال لیاقت پور میں قدوم میمنت فرمایا تو وہاں پر بھی درس و تدریس کا نظام قائم کیا۔ مشکوٰۃ شریف احیاالعلوم صحیح بخاری لوائح شرح قصیدہ سواالسبیل فصوص الحکم وغیرہ کتب کا درس ہوتا تھا۔

بزرگان دین کی سیرت علم دین کی ترویج سے مملو ہو گیا وحق کی آئینہ دار ہے۔ منزل عشق تک پہنچنے کے لئے انہوں نے وہ طریق اختیار کیا جس میں ذکر حبیب دل سے محو نہ ہو اس راہ کے تیز اور نکیلے خار بھی انہیں اس لئے گوارا تھے کہ ان کی چبھن اور اذیت سے ذوق کی تکمیل ہو اور لیلائے مقصود ہاتھ میں آجائے۔ جب یہ مرحلہ کامرانیوں سے طے ہو جاتا ہے تو پھر عشق کی فکر مندیاں عارفان پاکباز کو حیران و پریشان نہیں کرتیں۔

خواجہ جہاوری علیہ رحمۃ کی خدمت میں حاضری

تحصیل علم کے بعد خواجہ محمد عاقل صاحب رح

اور ان کے برادر کلاں خواجہ نور محمد صاحب کو تزکیہ نفس کے لئے مرشدِ کامل کی جستجو ہوئی۔ اسی اثنا میں خواجہ نور محمد صاحب مہاروی سے موضع یار اوالی میں ملاقات بھی ہو گئی پہلی نظر میں شکار ہوئے ؎

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

اسی رات خواجہ محمد عاقل صاحب کو کوٹ مٹھن سے بلا بھیجا۔ خواجہ صاحب فوراً آ گئے اور اوچ میں حضرت مہاروی علیہ الرحمتہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ گویا مدتوں کی کاوش اور سعی و تلاش کے بعد یہ مدعا یوں پورا ہوا۔ مرشد کا عشق رگ و پے میں سرایت کرتا چلا گیا۔ انہی کا ذکر اور انہی کا فکر عاقل تھا۔ مرید کا مخلصانہ رابطہ یہ رنگ لایا کہ اپنے پیرو مرشد کی وساطت سے حضرت مولنا شاہ فخر الدین دہلوی کی آستاں بوسی کا متعدد بار شرف حاصل ہوا۔ دونوں شیوخ کی نظر کرم اثر نے حضرت محمد عاقل رحمتہ اللہ علیہ کے قلب و جاں کو گرما دیا۔ مجاہدات کی لذتوں سے سرشار ہو کر منازل سلوک طے فرمانے لگے خواجہ حافظ محمد جمال ملتانی فرمایا کرتے تھے۔ کہ قاضی صاحب نے جتنے مجاہدے کئے ہیں۔ مشکل سے کوئی دوسرا شخص کر سکتا ہے۔ ان کو ذکر جہر میں بڑی دلچسپی تھی۔ یہی کہ پیرانہ سالی میں جبکہ آپ نحیف و کمزور تھے۔ آپ کے ذکر جہر کی آواز مہار سے شہر فرید تک جاتی تھی۔ یہ فاصلہ تقریباً تین چار میل کا ہوتا ہے

مجاہدات میں حبس دم کی مشق خصوصیت سے داخل تھی خواجہ گل محمدؒ نے لکھا ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے۔

شغل حبس مثل مار بر گنج است ہر کہ از گزندا و نترسد بگنج می رسد

شغل حبس دم خزانے پر سانپ کی مانند ہے جو اس کے نقصان سے نہیں ڈرتا خزانہ تک پہنچ جاتا ہے۔

۱۱۷۲۷

حبس دم

حبس دم کا مجاہدہ عمل شیوہ رخ میں مدارج روحانیت و مشاہدہ جمال کا موجب ہے جس کی راہیں پر فریب و پرخطر ضرور ہیں مگر جو بھی یہ طے ہوئیں تو ساری کی ساری رکاوٹیں خود بخود دور ہوتی چلی گئیں۔ عارف حق الیقین کی وادی لاتخف میں لاخوف علیہم و لاھم یحزنون کی گلبانگ صدائیں سنتا اور راحت کامل پاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مومن کی سمع اور بصر۔ بصر حق و سمع حق کہلاتی ہے۔ ~

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو ہے آپ ہی تقدیر الہی

اور یہیں سے اتقوا من فراستہ المومن کی حدود کا آغاز ہوتا ہے۔

عبادت

قاضی صاحب نہایت محویت اور سوز قلب کے ساتھ مشغول عبادت رہتے ذوق عبادت کا یہ رنگ تھا کہ بعض اوقات

ان لوگوں سے جو بلا ناغہ حاضرِ خدمت رہتے تھے دریافت فرماتے کہ اتنے دن کہاں رہے ہو جواب میں عرض کیا جاتا حضرت ہم تو کہیں نہیں گئے۔ روزانہ یہیں حاضر رہتے ہیں تو فرماتے من ندیدہ ام[1]

اللہ اللہ من ندیدہ ام میں ایک عارفِ حق نے اپنی عبادت و مشغولیت الی الحق کا کیسا عجیب و غریب نقشہ کھینچا ہے جس سے اس کی عظمتِ عبادت کا پتہ چلتا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کوئی بندہ خدا واقفِ اسرارِ الٰہی ہو جاتا ہے تو وہ لمحہ بھر کے لئے بھی تجلیات و انوارِ الٰہی کے مشاہدہ سے غافل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر قلب و نگاہ کا رجحان کسی دوسری طرف ہوا تو وصال کی یہ گھڑیاں فراق کی بیتابیوں سے بدل جائیں گی۔ اور پھر مطلوبِ دل و مقصودِ نگاہ۔ آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا۔

قہر ہے تھوڑی سی غفلت بھی طریقِ عشق میں
آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

یہی وجہ ہے کہ ارکان و فرائضِ دین کی پابندیوں سے وہ غافل نہیں ہوتا۔

ع اے بے خبر ز لذتِ شربِ مدامِ ما۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

---

[1] تکملہ سیر الاولیا

پابندی اوقات حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اوقات کی پابندی سختی سے کرتے تھے۔ مغرب کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد شغل و ذکر میں مصروف ہو جاتے پھر کھانا کھا کر نماز عشاء پڑھتے اس کے بعد مریدوں کی تربیت فرماتے آدھی رات تک یہ سلسلہ رہتا تہجد کی نماز پڑھ کر ذکر جہر کرتے قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور شام کے وقت طلبا کو درس دیتے تھے۔ سبحان اللہ زندگی کسقدر حسین و جمیل لمحات کی حامل تھی۔ ان کی زندگی ہمارے سجادگان کے لئے سبق آموز بھی ہے اور تازیانہ عبرت بھی۔

قید و بند تکملہ سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنے بڑے بھائی کی ٹھیکہ کی وصولی میں ضمانت دی تھی۔ ایک مرتبہ ٹھیکہ کی رقم ادا نہ ہوئی تو ناظم ڈیرہ غازی خاں نے آپ کو قید کر لیا نو ماہ تک قید و بند کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں کو اپنی عباوات سے منور و روشن بناتے رہے۔ اس عرصہ میں رہائی کے لئے حضرت نارووالا صاحب نے ان کے پیر و مرشد کی جانب سے متعدد بار عمل پڑھنے کے لئے بھیجے لیکن آپ نے کوئی وظیفہ و عمل نہیں پڑھا۔ جب لوگوں نے عمل نہ پڑھنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا برائے اخلاص نفس خود عمل کردن چیا دامن گیری شد۔ بلکہ اپنی اس قید کے بارے

میں فرمایا اگر اُن نو ماہ مراہدست نمی آمد شاید از نتیجہ شغل بے نصیب میر فتم[1]

مقبولیت

خلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت قاضی محمد عاقل صاحب نے کچھ عرصہ شیوع سلسلہ کی جانب توجہ نہیں کی حضرت کے مرشد حضرت قبلہ عالم مہاروی کو علم ہوا تو نہایت سختی کے ساتھ لکھا کہ تم اپنے فیض کو عام کیوں نہیں کرتے میں اس کی اطلاع حضرت شاہ فخر صاحب کو کروں گا اس انتباہ سے حضرت قاضی صاحب لرز گئے اور نہایت ادب سے عرض کیا

کدام کس پیش آمدہ است کہ رد نمودم اگر مرضی مبارک باشد خود بخود بگویم

مرشد کی پیش گوئی

حضرت مہاروی علیہ رحمتہ نے اپنے مرید کا جب یہ عجز و انکسار دیکھا تو جوش میں آ کر فرمایا۔

اے میاں صاحب روزے باشد کہ ملائک آسمان نام شما منادی دہند و خلائق از شرق و غرب بر آستان شما جبہ سایند سبحان اللہ شما میفرمائید کہ پیش من کسے نمے آید[2]

[1] تکملہ سیر الاولیا صفحہ ۱۴۹ [2] تکملہ سیر الاولیا صفحہ ۱۵۰

پھر کیا تھا ہزاروں عقیدتمند حضرت قاضی صاحبؒ کی آستان عالیہ پر جبہ سائی کرتے اور منتظر نگاہ کرم رہتے۔ کیوں نہ ہو مرشد کی پیش گوئی اور پھر وہ بھی قبلہ عالم مہاروی علیہ الرحمۃ ایسے کامل کی زبان حقیقت ترجمان سے ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

لنگر حضرت قاضی صاحب علیہ رحمۃ کا لنگر ابتدائی زمانہ سے جاری تھا طلبا اور فقرا کو اس لنگر سے کھانا ملتا تھا۔ لیکن ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ مسلسل فاقہ رہتا اور لنگر میں کچھ نہ پکتا۔ خواجہ گل محمد صاحب احمد پوری رحمۃ نے لکھا ہے کہ عسرت و تنگی کے ایام میں پانچسو آدمی لنگر سے متعلق تھا۔

فتوح جب باب فتوح کھل گیا تو لنگر سے کھانے والوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔ وز آں وقت ناوادین را تعداد بودنہ طعام را انداز یکے دربار شہنشاہی بود[1]

اتباع سنت سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق و عمل کو اختیار کرنا شعار کاملین ہوا کرتا ہے وہ سراپا سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر ہوتے ہیں۔ احکام شریعت و سنت میں منہمک اور مشغول رہتے ہیں اور یہی شیخ کامل کی پہچان ہے چنانچہ حضرت

ع ۱ تکملہ سیر الاولیا صفحہ ۱۴۹

قاضی صاحب رح بھی سنت نبوی کے سختی سے پیرو کار اور احکام شرعی کے کاربند تھے۔ وصال سے کچھ عرصہ پہلے حضور سرورکائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں۔

تو مارا بسیار خوش کردی کہ ہمگیں سنتہائے مارا زندہ کردی[1]

خواجہ جلال پوری رح فرمایا کرتے تھے کہ قاضی صاحب کو درجہ فنافی الرسول[2] حاصل تھا۔

اصلاح مریدین احترام شرعی میں ہمیشہ سرگرم عمل اور محتاط رہتے مریدوں کے عقائد کی اصلاح فرماتے رہتے۔ ایک مرتبہ چیچک کے عمل کے متعلق ذکر ہو رہا تھا فرمانے لگے

نسبت اثر بخود کردن عین شرک است
موثر حقیقی حق تعالےٰ است[3]

شاہان مغلیہ کا تعلق اکبر شاہ ثانی نے شاہزادہ جہاں خسرو اور کاؤس شکوہ کو قاضی محمد عاقل رحمتہ اللہ علیہ کا مرید کرایا دہلی کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر حضور کی ذات بابرکات سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے۔ ایک شعر میں کہا ہے ؎

دل فدا کرتے ہیں نام خسرویں پہ لے ظفر ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے ولی رکھتے ہیں ہم

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۱۷۳ [2] ذکر حبیب صفحہ ۸۰-۷۹ [3] تکملہ صفحہ ۱۹۵

اخلاق حضرت قاضی صاحبؒ غریب و امیر جوان و پیر سے شفقت آمیز سلوک کرتے اور انکسار سے ملتے تھے جو بھی حضرت سے ملتا یہ سمجھتا تھا کہ مجھ پر بہت زیادہ الطاف فرمایا ہے آپ ہمیشہ خندہ پیشانی اور محبت سے ہر کسی کے سوال کا جواب دیتے تھے۔ اس حسن اخلاق اور سیرت طیبہ کے باعث دوست و دشمن گرویدہ تھے۔

لباس حضرت قاضی صاحبؒ نفیس اور عمدہ لباس زیب تن فرماتے قمیص سینے پر سے چاک رہتا کلاہ قادری سر پہ ہوتی تھی دستار بھی باندھتے تھے اور کبھی کبھار سر پہ سلاری (لنگی) بھی باندھ لیتے تھے۔[۱] ریشمیں کپڑا کبھی استعمال نہ فرماتے۔

خوراک حضرت قاضی صاحب قلیل الطعام تھے رات دن میں پچاس درم سے زیادہ خوراک نہ ہوتی تھی۔ غذا لطیف ضرور ہوتی تھی مگر پُر تکلف نہ تھی۔ لکھا ہے کہ شوربہ چوزہ یا دال مونگ یا شلغم تناول میفرمودند۔[۲]

وصال قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ تقریباً چار مہینے تک سالسترعلالت پر رہے ایک دن فرمانے لگے۔

امروز در تمام ہرج سفر کشیدیم خوب شد کہ بہ منزل رسیدیم[۳]

۱۔ تکملہ صفحہ ۱۴۴۔ ۲۔ تکملہ صفحہ ۱۴۳۔ ۳۔ تکملہ سیر الاولیا صفحہ ۱۵۱

حاضرین نے یہ سنا تو حیران ہو گئے خواجہ گل محمد صاحب احمد پوری جو مزاج شناس تھے رونے لگے اسی دن قاضی صاحب رح نے وصال فرمایا یہ سوہان روح واقعہ ۸ رجب المرجب سنہ ۱۲۲۹ھ کو پیش آیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیدانی سے کوٹ مٹھن لاکر آخری آرامگاہ میں سلا دیئے گئے (رحمۃ اللہ علیہ) مولوی گل محمد نے تاریخ وصال میں یہ اشعار کہے۔

دل ز داغ درد پر سوز و لہب	جاں بلب شد چوں سخن گوید بہ لب
رفت از دار فنا سوے بقا	رہبر دین ہدے عالی نسب
مظہر نور محمد فخر دین	شاہ محمد عاقل محبوب رب
آہ واویلا و صد افسوس و درد	کز جہاں نور جہاں شد محتجب
خم تہی گشت و نمانده صاف درد	درد باقی بہر مست و مضطرب
چونکہ تاریخ مہ و سال وصال	از دل پر سوز خود کردم طلب

سر ز جیب بیخودی آورد و گفت
روز ہشتم بود از ماہ رجب

آپ کے مشہور خلفا

حضور محبوب الٰہی مولانا خدا بخش صاحب رح مولوی سلطان محمود خاں بیلہ۔ مولوی گل محمد صاحب احمد پوری۔ مولوی نور محمد صاحب بھرڑا احمد پور۔ مولوی عبد اللہ صاحب بھٹی احمد پور۔

سجادہ نشین

حضرت قاضی محمد عاقل علیہ رحمۃ کے بعد اُن کے صاحبزادے خواجہ احمد علی صاحبؒ مسند نشین ہوئے آپ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ فطرتاً خلیق اور متواضع تھے ۹ شعبان ۱۲۳۱ھ کو عالم جاودانی کا سفر اختیار فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کی اولاد

خواجہ احمد علی صاحبؒ کے دو لڑکے تھے۔
خواجہ خدابخش صاحبؒ، خواجہ تاج محمود صاحبؒ

خواجہ احمد علی صاحب رح کے بعد خواجہ خدابخش صاحب سجادہ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے مصنف تکملہ نے اُن کی نسبت لکھا ہے۔

انوار اسرار از ناصیۂ مبارک او ہویدا است کہ مثل ایں وجود شریف کم کسے دیدہ باشد در علم و حلم وجاہ و سخا

ودریں زمانہ عدیل او کسے نیست و قدم بر قدم جدّ خود
حضرت سلطان اولیا می رود۔ و ترک یک مستحب
ازاں ذات فائض البرکات نیامدہ باشد

حضرت خواجہ خدا بخش صاحب مرجع خلائق بزرگ تھے دُور دُور سے لوگ اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض روحانی پاتے

فوائد فریدیہ میں حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت نور محمد قبلہ عالم قبل از تولد او والدہ شریفہ دے را فرمودہ بودند کہ از شکم تو قطب الاقطاب مے زائد کہ ہمہ دیں از و روشنی خواہد گرفت و لقب آں حضرت محبوب الہی است۔

حضرت قبلہ عالم مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بشارت حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی۔ کہ محبوب الہی منبع کمالات و مصدر فیوضات ثابت ہوئے لوگوں کو علم ظاہری و باطنی سے سرفراز فرمایا فوائد فریدیہ میں خواجہ غلام فریدؒ فرماتے ہیں۔

در علم ظاہری باں حدے رسیدہ بود کہ عالم ملک خود را لائق شاگردی او نداستند و در نور باطن چناں بود کہ ہمہ اولیا مداح ذات پاکش بودند۔

اتباع شریعت

اتباع شریعت میں حضرت محبوب الہی اس قدر پابند تھے کہ خلاف شریعت کبھی کوئی بات

گوارا نہ فرماتے مناقب فریدی کا بیان ہے کہ ذات بابرکات سے کبھی کوئی سنت ترک نہیں ہوئی[1]

استغنا عن الدنیا حضرت محبوب الٰہی نے کبھی نوابوں اور رجواڑوں سے جاگیریں قبول نہیں کیں نواب صاحب بہاولپور نے چند مواضع پیش کیے تو فرمایا میرے پیروں اور بزرگوں نے کبھی کسی کی ایسی چیز قبول نہیں کی۔ دوسرے یہ کہ جب زمینداری ہوئی تو مال گذاری وغیرہ امور پیش آئیں گے کبھی نہ کبھی عدالت تک جانا ہوگا جب ان کاموں میں مصروف ہوئے تو پھر فقیری کہاں اللہ تعالےٰ مسبب الاسباب ہے[2]

لنگر لنگر کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا۔ عمدہ طعام لوگوں کو ملتا۔ دواخانہ کا مکمل اہتمام تھا ایک طبیب موجود رہتا خود بھی مریضوں کی عیادت فرماتے۔ لکھا ہے کہ بارہ بارہ من غلہ روزانہ صرف گھوڑوں کے خرچ میں آتا۔ باوجود لنگر کے اس انتظام کے خود محبوب الٰہی سوکھی روٹی تناول فرماتے۔

سبحان اللہ۔ اللہ والوں کا ذوق ملاحظہ کیجیے کہ مخلوق خدا کی آسائش آرام کیلئے ہر قسم کا انتظام ہے لیکن اپنے لئے صرف ایک سوکھی روٹی تاکہ

---

[1] مناقب فریدی صفحہ ۱۵   [2] مناقب فریدی صفحہ ۷۶ - ۷۵

تن پروری و تن آسانی سے نفس بے راہ روی نہ اختیار کر لے۔

درس حضور محبوب الٰہی۔ درس کے معاملہ میں نہایت ہی پابندی سے کام لیتے تھے خود صبح کو حدیث فقہ اور تصوف کا درس دیتے تھے آپ کے زمانہ میں کئی مدرسے جاری رہے[1]

سکھوں کے مظالم اور آپ کی نقل مکانی اس زمانہ میں جبکہ محبوب الٰہی مسند نشین تھے ڈیرہ غازیخاں سے سکھوں کے مظالم کی داستانیں ان تک پہنچیں کہ سکھ قوم مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ فرائض اسلام کی ادائیگی میں بھی دقتیں پیدا ہیں قتل و غارت کا بازار گرم ہے آپ نے جونہی مسلمانوں کی یہ درد انگیز داستانیں سنیں ہجرت کا عزم[2] کر لیا ادھر نواب صاحب بہاولپور چاہتے تھے کہ حضرت خواجہ خدابخش صاحب محبوب الٰہی ریاست بہاولپور کے کسی مقام کو اپنا مستقر بنائیں چنانچہ نواب صاحب کے اصرار پیہم سے آپ نے چاچڑاں شریف کو اپنی رہائش سے نوازا۔

وصال حضرت خواجہ خدابخش صاحب محبوب الٰہی ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۹ھ شب جمعہ بوقت نماز عشاء واصل بحق ہوئے رحمتہ اللہ علیہ

۱؎ مناقب فریدی صفحہ ۷۶-۸۰، ۲؎ مناقب فریدی صفحہ ۸۱

خلفا | خواجہ خدا بخش رح کے خلفا میں یہ بزرگ مشہور ہیں۔

غلام فخر الدین رح | مخدوم غریب شاہ رح
صاحبزادہ نصیر بخش رح | حیدر بخش رح
کریم حیدر رح | قاضی فتح محمد رح ملتانی
مولوی غلام کبریا رح | سید لال شاہ رح
مولوی محمد صالح رح ملتانی

اولاد | خواجہ خدا بخش علیہ رحمۃ کے دو فرزند تھے

مولانا غلام فخر الدین رح | مولانا غلام فرید رح

خواجہ خدا بخش رح کے انتقال کے وقت خواجہ غلام فخر الدین صاحب رح کی عمر پینتیس سال تھی اور مولانا خواجہ غلام فرید صاحب رح آٹھ دس برس کے تھے۔

مسند نشین

حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد خواجہ غلام فخر الدین صاحب مسند خلافت پر بیٹھے۔ آپ نہایت درجہ شرح کے پابند تھے بڑا قوی حافظہ تھا۔ احادیث نبوی سے اس قدر شغف رہتا کہ احادیث نوک

زبان رہتی تھیں ؎۱

آپ نے ظاہری و باطنی تکمیل اپنے قبلہ گاہ حضرت خواجہ خدا بخش ؒ سے
کی تھی اور انہیں سے بیعت کر کے ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے ۔
علم ظاہر کے اسباق بھی اپنے والد سے لیتے رہے خود فرماتے ہیں جب
میں تحصیل علم کر چکا تو حضرت مولانا فخر الدین دہلوی کو خواب میں دیکھا انہوں
نے فرمایا تم درس کیوں نہیں دیتے ۔ میں نے عرض کیا حضرت درس دینا
نہیں جانتا بہت سے اشکال درپیش ہیں اس لئے درس دینے کی ہمت
نہیں پڑتی ۔ تو آپ نے فرمایا تم درس دینا شروع کر دو ۔ جو لفظ بھی نہ
آئے مجھ سے پوچھ لینا ۔ ہم اس موقعہ پر حضرت فخر جہاں رحمت اللہ
کے وہ الفاظ نقل کرتے ہیں جن کو انہوں نے اپنی زبان گوہربار سے ظاہر
فرمایا اور حضرت خواجہ غلام فرید ؒ نے لکھا حضرت شیخ من میفرمودند کہ چوں
از تحصیل علم فارغ شدم و در خود جرئت درس دادن نمیدانستم تا آنکہ
روزے حضرت قبلہ مولانا خواجہ فخر الملت والدین محمد دہلوی را در خواب
دیدم کہ میفرمایند کہ اے غلام فخر الدین چرا درس علم نمیخوانی بے پروا شدہ
تدریس بکن پس ہر لفظے کہ شما را بند شود و خیال کنی کہ نیامد از من پرسی کہ من
شما را خواہم گفت ۔ اس کے بعد کا حال حضرت خواجہ غلام فرید علیہ رحمتہ

؎۱ مناقب فریدی صفحہ ۸۹ ۔

سے سنیئے فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ تمام کتب متداولہ درسیہ کا درس دیتے تھے مگر حضرت فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری مشکوٰۃ شریف اور تفسیر و فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔

اول در وظیفہ درس طلبا کہ حضرت محبوب الٰہی جمیع کتب متداولہ درسیہ را درس میدادند و درس ایشاں کتب درسیہ کم و کتب احادیث شریف مثل صحیح بخاری مشکوٰۃ و کتب فقہ و تفاسیر بکثرت متداول بودند و سبق حدیث شریف فرض بودے۔ (حضور فرید رح) فرمودند کہ من نیز شرح ملا بخدمت ایشاں خواندہ ام۔

سبحان اللہ۔ کس قدر احساس دین سے اہل اللہ کی زندگی مملو ہے کہ حضرت شاہ فخر دہلوی رح حضرت فخر جہاں چاچڑانی رح کو خواب میں تاکید درس فرماتے ہوئے اپنی روحانی دستگیری کا یقین دلاتے ہیں تاکہ شیوخ کے طریق کار میں رکاوٹ نہ پیدا ہو اور تبلیغ دین کی راہیں مسدود نہ ہو جائیں حضرت فخر دہلوی رحمۃ اللہ کا یہ فرمانا کہ جب کوئی علمی مشکل پیش آئے ۔۔۔

از من بپرسی من ترا خواہم گفت۔ یہ ایک ایسا جملہ ہے جس پر معترضین اپنے زور خیال و قلم کو جنبش میں لا سکتے ہیں۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم اعتراض کے ناخن تیز کریں لمحہ بھر کے لئے اہل اللہ کے ان کمالات خصوصیہ پر تدبر کریں جنہیں اللہ تعالےٰ نے اپنے انعامات سے سرفراز فرما کر چند ایسے

مدارج روحی عطا فرما دیتا ہے جن سے ان کی عظمت اور مقام کی بلندی کا پتہ چلتا ہے اور وہ یقیناً بارگاہ رب العزت میں نسبتہً دوسروں کے ممتاز ہوتے ہیں۔ جب ان کی رسائی اوروں کے مقابلہ میں ہر لحاظ سے فائق ہے تو پھر اُن کا تصرّف روحانی بھی ہر لحاظ سے اونچا وارفع ہوا کرتا ہے اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بزرگان دین عالم دنیا میں ہوں یا عالم برزخ میں ہمیشہ دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم و تنظیم میں کوشاں رہتے ہیں۔

زہد و اتقا حضرت فخر جہاں رحمتہ اللہ علیہ زہد و اتقا کا مجسمہ تھے بچپن ہی سے آپ لہو و لعب سے کنارہ کش تھے نماز کی پابندی اور فرائض کا احساس بدرجہٗ اتم ان میں موجود تھا ساری عمر اُن سے صرف تین نمازیں فوت ہوئیں جنکو انہوں نے قضا کیا لکھا ہے

تورع و اتقا وجود مسعود حضرت شیخ من بداں غایت بود کہ حضرت قبلہ محبوب الہی میفرمودند کہ من در ایام صبی و طفولیت بہ کودکاں بازی کردہ ام ایشاں آنہم نہ کردہ و در اتباع سنت سنیہ نبویہ قدم بقدم حضرت قبلہ گاہ والد ماجد خواجہ محبوب الہی بودہ اند تا انکہ چند مبتلائے عوارض جسمانی واوجاع مولمہ مبتلا شدہ در مدت العمر صرف سہ نماز از حضرت ایشاں فوت شدہ است ورنہ در حالت صعب از صلاہائے پنجگانہ با جماعت گزاردہ

ہم جو بھی اس عبارت کو نقل کر رہے تھے معاً بعض سجادگان

کو ریحہ کی خوبو کا نقشہ سامنے آگیا کہ ان کے شیوخ دسلف کس قدر پابندی کے ساتھ صوم دصلوۃ میں منہمک نظر آتے ہیں۔ اگر ہمارے سجادگان بھی انہیں کا راستہ اختیار کرتے اور نقش عمل کو اپنا شعار بناتے تو یقیناً فائز المرام اور روحانی لذتوں سے بہرہ اندوز ہوتے الله تعالےٰ ہم سب کو توفیق عمل نصیب کرے۔

اراضی اراضی جو والیان ریاست بہاولپور نے حضرت خواجہ خدا بخش رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کی تھی اور آپ نے قبول نہ فرمائی تھی۔ حضرت فخر جہاں علیہ رحمتہ نے اُسے کسی مصلحت کے پیش نظر قبول فرما لیا جو آج تک لنگر سے متعلق ہے۔

سماع حضرت فخر جہاں رحمتہ اللہ علیہ شیوخ چشت کے طریقہ پر محفل سماع با پابندی اداب سماع قائم ہوتی اس محفل میں اہل ذوق اور صحیح سوز و درد رکھنے والوں کے علاوہ اور کسی کو اجازت شمول نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ خواجہ فخر جہاںؒ سماع کی سرمستیوں اور ذوق و وجد کی لذتوں میں محو تھے کہ اچانک چونک اُٹھے۔ اور فرمایا کہ محفل خانہ کے باہر ایک شخص شراب پیئے کھڑا ہے اُسے فوراً یہاں سے ہٹا دیا جائے۔ لوگوں نے باہر نکل کر اس شخص کو پکڑا تو واقعی وہ شراب سے بدمست ہوا کھڑا تھا۔ سماع خانہ کی عمارت سے

اُسے دور بھگا دیا گیا تو پھر کہیں جا کر حضرت نے سماع کیا۔

غور کیجیے کہ ایک عارف باوجود محویت سماع کے بھی اس قدر باہوش ہے کہ ہر قسم کی آلائشوں اور مناہی سے اجتناب کرتا اور آداب سماع کا لحاظ رکھتا ہے اس کا قلب اس قدر مصفّا پاکیزہ ہوا کرتا ہے کہ اندرون خانۂ محفل بیٹھ کر بھی یہ کشفی مشاہدہ فرمایا ہے کہ کوئی غیر شرعی فعل کا مرتکب قریب محفل سماع موجود ہے جس کے ہوتے ہوئے آداب سماع میں خلل واقع ہو رہا ہے۔

ایسے واقعات اس امر کی دلیل ہیں کہ اہل دل و ذوق رسا والوں کا سماع حظ نفس و خواہشات نفسانی سے مبرّا ہوتا ہے۔ ان کی نگاہ جادۂ حق سے ہٹی ہوئی نہیں ہوتی۔ وہ کسی غیر مشروع حرکت کو قطعاً برداشت نہیں کرتے۔

البتہ جھگڑا اس میں ہے کہ سماع کی شرعی حیثیت کیا ہے اور اہل اللہ جو سماع کرتے ہیں ان کے نزدیک اس کا جواز کس صورت میں ہے کیا سماع کے لئے مزامیر ضروری ہیں یا نہ۔ یہ ایک ایسی بحث ہے جس کے لئے میدان سخن وسیع ہو اور دلائل کے لئے وقت چاہیے۔ تاکہ شرح و بسط کے ساتھ اُس کے ہر پہلو کو اجاگر کیا جا سکے چونکہ ہمارا موضوع یہ نہیں ہے اس لئے ہم مختصراً اس مسئلہ کا تذکرہ کئے دیتے

ہیں جن سے اہل علم کو نتائج اخذ کرنے کا موقع مل سکے گا۔

مسئلہ سماع سماع کا مسئلہ ایسا الجھا ہے یا الجھایا گیا ہے کہ عام لوگ اس کے ذریعے نیک و بد کی تفریق کرنے لگے ہیں جو لوگ ذوق موسیقی میں طاؤس و رباب کے دلدادہ و فریفتہ ہیں اُن کے نزدیک وجد و حال کی محرک سماع و آلات سماع کے علاوہ اور کوئی دوسری شئے نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کسی معاملہ میں بھی انتہا پسندی اچھی نہیں۔ طبقاتی لحاظ سے سماع کے مخالف و موافق اپنی جلالت علم و عمل میں یگانہ روزگار گذرے ہیں جن کا تورع بھی محقق تھا اور طہارت نفس بھی یقینی دونو فریق اس معاملہ میں خالصتہً اللہ عمل پیرا تھے باہمی بغض و کینہ قطعی نہ تھا ان کا ہر اختلاف و اتحاد الحُبُّ لِلّٰہ و البغض لِلّٰہ کے معیار پر تھا نہ تو ذاتیات کی چپقلش کا شائبہ اور نہ ہی تقاضائے نفس کا اثر۔ اس لئے ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم کسی کی نیت پر حملہ کریں اور انہیں مورد الزام و طعن بنائیں۔

مخالفین سماع ہم دیکھتے ہیں کہ مخالفین سماع میں جلیل القدر اصحاب علم و عرفان موجود ہیں جن کا کہنا ہے کہ سماع نفس کی خرابیوں اس کی بے راہ رویوں اور تحریک شہوانیت کا سبب ہے چنانچہ جلیل القدر صحابی حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ گانا نا کا افسون

ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے میں بغداد میں ایک ایسی چیز چھوڑ آیا ہوں یعنی گانا بجانا جس نے لوگوں سے قرآن چھڑا دیا ہے۔ یزید بن ہارونؒ کا قول ہے کہ گانا بجانا فاسقوں کا عمل ہے۔ امام احمدؒ سے جب اس بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا اکرھہ وھو محدث یعنی میں اسے ناپسند کرتا ہوں اور یہ بدعت ہے پوچھا گیا أتجلس معھم کیا آپ ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھ سکتے ہیں فرمایا نہیں۔ حضرت ابوفرج بن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ گانے میں دو مضرتیں ہیں ایک طرف تو وہ قلب کو عظمت الٰہی میں تفکر سے روکتا ہے دوسری طرف تمام مادی لذتوں کی جانب راغب کرتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہم کی نظر میں یہ چیز امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سے زیادہ مکروہ اور باعث غضب الٰہی ہے چنانچہ ابراہیم بن ادھمؒ فضیل بن عیاضؒ معروف کرخیؒ سری سقطیؒ ابوسلیمان درانیؒ وغیرہم میں سے کوئی بھی ایسی مجلس میں نہیں بیٹھا جہاں گانا بجانا ہو۔

اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلانیؒ شیخ عدیؒ شیخ ابولابیانؒ شیخ حیاۃؒ وغیرہم بھی اس سے ہمیشہ دور ہی رہے۔ خیرالقرون میں حجاز۔ شام یمن مصر مغرب عراق خراسان کہیں بھی اہل

صلاح و تقویٰ سماع کو پسند نہیں کرتے تھے تالیوں ڈھول بانسری یا رباب پر ہرگز کوئی گانا نہ سنتا تھا۔ تو پھر جو کوئی سماع میں اس حیثیت سے بحث کرتا ہے کہ وہ دین کا ایک جزو ہے یقیناً یہ اس کی زیادتی اور بے علمی کی واضح دلیل ہوگی اور ایسے شخص کی مثال بالکل اس آدمی کی سی ہے جو علم کلام کے محمود یا مذموم ہونے کی بحث میں نفس کلام پر گفتگو کرتا ہے۔

موافقین سماع

اس کے برعکس بزرگان دین کا ایک طبقہ سماع کی حلت اور اس کے جواز پر کوشاں نظر آتا ہے۔ مگر وہ بھی اس احتیاط و شرائط کے ساتھ کہ جونہی وہ اداب و شرائط نہ رہے تو مجلس سماع کا انعقاد بھی نہ رہا۔

شیخ الاسلام امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ محفل سماع میں جب کوئی ایسا مرید و مسترشد موجود ہو جو ظاہری ظاہر کی خبر رکھتا اور باطن سے بیگانہ ہے جسے سماع کا ذوق تو ہے لیکن شہوت نفسانی کی کچھ زنجیریں ابھی اس کے پاؤں میں اور بشری تقاضوں کے بندھن ابھی اس کے ہاتھ پر موجود ہیں تو ایسے شخص کی موجودگی میں شیخ کا فرض ہے کہ سماع کی محفل آراستہ نہ کرے۔

امام غزالیؒ اس بات کو بھی ایک لمحہ کے لیئے روا نہیں رکھتے

کہ کسی ایسی عورت یا بے ریش لڑکے کا گانا سنا جائے جس کے گانے سے انسان کو فتنے کے شکار ہونے کا احتمال ہو اور ساتھ اس کے یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو شخص صرف اپنی طبیعت و ذوق کی وجہ سے گانے سے خوش ہوتا ہے اس کے سماع کی کوئی وقعت نہیں کیونکہ ایسے پامال ذوق کے وجود کے لئے تو صرف ذی روح ہونا ہی کافی ہے مزید کسی عامل و سبب کی ضرورت نہیں چنانچہ امام غزالی ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جو گانے کا مصداق اپنی خواہشات اور اپنے مختلف اصول کو قرار دیتے ہیں۔ البتہ امام غزالی اس شخص کے سماع کا اعتبار کرتے ہیں جو گانے کو ان احوال و مقامات پر محمول کرے جو اللہ کے معاملہ میں اس پر وارد و طاری ہوں یا وہ شخص جو ماسوائے اللہ سے بے خبر ہو یہاں تک کہ اپنی ذات اپنے نفس اور اپنے وجود سے بھی غافل ہو کر بحر شہود میں دیوانہ وار غوطے کھا رہا ہو اور اس کی مثال ان عورتوں کی سی ہو گئی ہو جنہوں نے جمال یوسفی کو دیکھ کر بیخودی میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔

مختصر یہ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کا سماع جائز رکھتے ہیں جو اللہ کے وصل و بقا کا آب زلال پینا چاہتے ہیں اور ہر چیز میں اللہ ہی کو دیکھتے ہیں

شیخ العالم حضرت نظام الدین اولیا فرمایا کرتے تھے کہ سماع کی

چار قسمیں ہیں۔

حلال حرام مکروہ اور مباح

اگر صاحب وجد کو حق کی طرف زیادہ میلان ہے تو سماع اس کے حق میں مباح ہے اگر اس کا میلان مجاز کی طرف زیادہ ہے تو سماع اس کے حق میں مکروہ ہے لیکن جس کا دل بالکل مجازہی کی طرف ہو تو اُس کے لئے سماع حرام ہے جب میلان طبع بالکل حق کی طرف ہو تو حلال ہے۔

سماع کے حلال ہونے کے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہے۔
مسمع[1] مستمع[2] مسموع[3] آلہ سماع[4]۔
مسمع یعنی گانے والا مرد کامل ہو لڑکا یا عورت نہ ہو۔ مستمع[2] یعنی سُننے والا یاد حق سے خالی نہ ہو مسموع[3] یعنی جو چیز گائی جائے فحش نہ ہو آلہ سماع[4] یعنی مزامیر موجود نہ ہوں[1]

مشائخ چشت کا خیال تھا کہ اگر ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو سماع حرام ہے افسوس رفتہ رفتہ ان شرائط کو ختم کیا گیا یہاں تک کہ سماع کی صحیح روح ختم ہوگئی۔ شاہ کلیم اللہ نے فرمایا۔ امروز قدر راگ مشائخ نمے شناسند و آداب را رعایت نمے کنند[2]

---

[1] نیر الاولیا صفحہ ۴۹۲ [2] مکتوبات کلیمی صفحہ ۸۳

سماع کے جواز و عدم جواز کا معمولی سا خاکہ ہمارے سامنے آچکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیج پھولوں کی نہیں کانٹوں کی ہے اس پر قدم رکھنے سے پہلے احتیاط اور نفس کی طہارت کو ٹٹول لینا چاہیئے تاکہ ٹھوکر کھانے سے بچ سکے۔ شیوخ چشت کے طریق کو وابستگان چشت نے اپنا تو لیا لیکن آداب سماع اور شیوخ کے ارشادات عالیہ کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا۔ حلت و حرمت کی کسوٹی پر اپنے عشق کے کھرے اور کھوٹے کو نہ پرکھ سکے نفس کی بالادستیوں سے مجبور ہو کر اپنے طریق عمل کو طریق مرشد سے تعبیر کیا گیا تقویٰ و طہارت کو کوچۂ خرابات کی نذر کرنے کے باوجود بھی اپنے تقدس و عرفان کے گھمنڈ میں مبتلا رہے اور بلاکشان محبت کی سی صورت بنا کر شیوخ کے پاک دامن پر دھبہ لگاتے رہے جس سے یقیناً اہل اللہ کی روح کو اذیت و کوفت ہو رہی ہوگی۔ ؎

بے پردہ سوئے مجنوں گذر نہ کر
یاں ہر ذرے کے نقاب میں دل بیقرار ہے

فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت ایک شاعر کے

آپ اوحدی تخلص کرتے تھے اپنے کلام کو ایک زمانہ تک پوشیدہ رکھا۔ آپ کا کلام فارسی میں تھا۔ جس میں

صوفیانہ مزاق کی جھلک نمایاں ہے۔ چونکہ ہمیں ان کا مجموعہ کلام دستیاب نہیں ہو سکا اس لیے نمونہ کے طور صرف ایک شعر پیش کیا جاتا ہے ؎

شعلہ عشقت چو از آتش دل ما سوختہ
زد علم بیروں ز دل کون و مکاں را سوختہ

وفات آپ بعارضہ دبیل علیل ہوئے اس شدت کی تکلیف میں بھی نہ تو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹا اور نہ ہی پنجگانہ نماز سے کوتاہی ہوئی۔ کپڑوں کی طہارت کا خیال رہتا۔ ۷۲ سال کی عمر میں ۵ جمادی الاول ۱۲۸۸ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

سجّادہ نشین

حضرت خواجہ غلام فخرالدین رحمتہ اللہ علیہ کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ خلعت خلافت سے ممتاز ہوئے۔ خواجہ غلام فرید علیہ رحمتہ کی ذات مجموعہ صفات و کمالات تھی۔ بچپن ہی سے عشق الٰہی کی محویت اُنہیں نصیب آئی زمانہ طفولیت ہی میں آپ کے فقر اور کمالات و کرامات کا شہرہ عام ہو گیا تھا۔ خاتم سلیمانی میں لکھا ہے کہ خواجہ غلام فرید چشتی چاچڑاں شریف والے بڑے ولی کامل گذرے ہیں ہمیشہ عشق الٰہی میں محو رہتے تھے۔

تعلیم:۔ حضرت فرید رحمتہ اللہ علیہ ابھی ساڑھے تین برس کے تھے۔ کہ خواجہ خدا بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے خواجہ تاج محمود صاحب علیہ رحمتہ سے آپ کی رسم بسم اللہ خوانی کرائی گویا ایک کامل کے ہاتھوں ابتدائی

تعلیم کی بنیاد رکھی گئی جو ہر طرح سے استوار پختہ اور موجب برکت تھی۔ خواجہ صاحب کی اپنی طبیعت بھی ذہین تھی آٹھ برس کی عمر میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا۔ اس کے بعد درس نظامی کی تکمیل بھی ہو گئی اس دوران میں آپ کی زیادہ تر توجہ علم حدیث و تفسیر کی طرف رہی۔ جونہی سن شعور کو پہنچے تو ایک متبحر عالم تھے۔ عوارف المعارف احیا العلوم کیمیائے سعادت سہ مراتب تحفہ مرسلہ لوائح شریف فصوص الحکم جواہر جلالی جامع العلوم کشکول حکمی غیبی اونچی کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہتیں اور ان کے غوامض بیان کرتے وقت علمائے عصر کو دنگ کر دیتے مولانا شاکر محمد صاحب ؒ دیروی جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم تھے حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کچھ عرصہ رہ کر استفادہ علمی حاصل کرنے لگے تو کسی نے مولانا سے پوچھا کہ آپ نے حضرت فرید صاحب سے کیا کچھ حاصل کیا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ ابھی تک تو صرف لاالہ کا معنی ہی ختم نہیں ہوا۔

مولانا شاکر محمد صاحب کے اس بیان سے حضرت فرید کی جلالت علم کا پتہ چلتا ہے کہ جس کے سامنے ایک متبحر عالم تسلیم کے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور محض ہو جاتا ہے۔

۱؎ خاتم سلیمانی صفحہ ۱۶۴

بیعت حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ جب علم ظاہری کی نعمتوں سے مالامال ہو گئے تو روحانیت کا وہ مادہ جو بچپن ہی سے آپ کے رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا یک دم ابھرا اور آپ کو حضرت فخر جہاں علیہ رحمۃ جو آپ کے برادر کلاں بھی تھے سے بیعت ہونے کا شوق غالب ہوا۔ اس شوق نے بیتابی و بیقراری کی صورت اختیار کر لی میاں نصیر بخش صاحب مہاروی و سردار امام بخش صاحب مہروالہ کے ذریعے استدعائے بیعت کرائی گئی تو حضرت فخر جہاں علیہ رحمۃ نے شرف قبولیت فرما کر حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دست حق پرست پر بیعت فرمالیا۔ فرید علیہ رحمۃ کے ذوق سلیم نے بیعت کے اس تعلق کو عشق و محبت کی وارفتگیوں سے تبدیل کر دیا اور مرشد کے ذکر و فکر میں محو ہوتے چلے گئے ادھر فخر جہاں علیہ رحمۃ نے بھی اپنی توجہات سے مرید کے مقام ولایت کو اس قدر ارفع کیا کہ چار دانگ عالم میں آپ کے کمالات کا چرچا پھیلتا چلا گیا۔ عرفان کی گتھیاں سلجھنے لگیں اور شراب وحدت کے پیمانے چھلکنے لگے۔ ؎

یہ میکدہ ہے ترا مدرسہ نہیں واعظ
یہاں شراب سے انسان بنائے جاتے ہیں

جب فیض مرشد نے حضرت فرید علیہ رحمۃ کو مشاہدات و تجلیات

ربانی سے فیضیاب کیا تو پکار اُٹھے ؎

فخر جہاں قبول کیتو سے واقف کل اسرار تھیو سے
ہر جا نور جمال ڈٹھو سے مخفی راز تھئے اظہار

درس تدریس درس و تدریس کے معاملہ میں خواجہ علیہ رحمۃ اپنے بزرگان کے لائحہ عمل پر سختی سے کاربند تھے آپ کے یہاں شائقین علوم دینیہ کا ہر وقت ہجوم رہتا فقہ و حدیث کا درس دیتے مشکل سے مشکل مسائل کو بغیر کسی تیاری کے حل کرتے اور گھنٹوں نہایت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ ان پر تبصرہ فرماتے رہتے آپ کی علمی تقاریر اس قدر موثر ہوتیں کہ سننے والے محو حیرت رہ جاتے۔

لنگر حضرت فرید رحمۃ کے لنگر کا اہتمام و انتظام نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پر تھا کسی چیز کی کمی نہ تھی فقرا علما اور غربا کو اس لنگر سے کھانا ملتا اور دیگر ضروریات زندگی کا بھی لحاظ رکھا جاتا۔

جود و سخا اس خاندان میں خواجہ صاحب کی شخصیت سخا و کرم میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے آپ سخاوت پر حریص تھے کبھی کوئی سائل در اقدس سے خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹا ہر وقت سائلین کا بے پناہ ہجوم رہتا مانگنے والے تنگ کرتے مگر جبیں پر

نشکن تک نہ پڑتی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک صاحب نے آکر اپنی ضرورت
پیش کی اتفاق کی بات اس وقت حضرت کے پاس کچھ نہ تھا شب بھر
کے لئے مہلت چاہی تو وہ صاحب غرض بگڑ بیٹھے حتیٰ کہ دشنام طرازی
تک بھی معاملہ بڑھا دیا مگر تھے وہ نسب کے سید۔ حضرت خواجہ علیہ رحمۃ
نے نہ صرف ضبط سے کام لیا بلکہ فرمایا کہ آپ نے مجھے میری حقیقت
سے آشنا کیا اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

پھر سائل کو اس کی ضرورت سے بھی زیادہ دے کر تکریم کے
ساتھ روانہ فرمایا اور کہا میں تو سگ آستان سادات ہوں۔
اللہ اللہ داد و دہش کے ساتھ یہ تواضع اور انکسار بہر حال۔ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

مشہور ہے کہ آخر وقت میں آپ نے اس بات کا افسوس فرمایا
کہ کوئی ایسا سائل نہیں آیا جو مجھ سے لاکھ روپے کا مطالبہ کرتا۔ اور
میں اس کی اس خواہش میں کام آتا۔ الغرض آپ کے یہاں جو کچھ آتا۔
وہ سب کا سب اہل غرض پر تقسیم ہو جایا کرتا تھا۔ کبھی جمع کرنے کا خیال
تک ہی نہیں ہوا۔

سلسلہ کی توسیع

آپ کے کمال فقر کا شہرہ اکناف عالم میں
پھیلتا چلا گیا دور دراز سے لوگ چاچڑاں شریف

میں جمع ہونے لگے حتیٰ کہ دیارِ عرب و دیگر ممالک سے بھی لوگ آپ کے حضور حاضر آکر داخل سلسلہ ہوتے رہے اس لحاظ سے نظامیہ چشتیہ سلسلہ میں پھر ایک بار غیر معمولی سی وسعت پیدا ہو گئی اور فرید کا دربار امیر و غریب کی غمخواریوں کا مرکز بن گیا۔ نواب قیصر خاں مگسی والی علاقہ جہل اسی زمانہ میں باریاب خدمت ہو کر استدعائے بیعت کرتا ہے مگر حضور انکار فرما دیتے ہیں آخر چند بار اصرار کے بعد وہ طے کرتا ہے کہ اگر حضور نے مجھے شرف بیعت نہ بخشا تو میں خود کشی کر لوں گا جب اس کی عقیدت اس حد کو پہنچ گئی تو پھر کہیں جا کر حضرت نے اُسے بیعت کی نعمت سے سرفراز کیا۔ اس کے ... برعکس حضرت فرید علیہ رحمۃ غربا طبقہ کو فوراً اپنے سلسلہ ارادت میں قبول فرما لیتے تھے۔ شیخ کے اس عمل کی توجیہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ دردِ سوز اور ذوقِ ایمان کی جھلک نسبتہً امرا کے غربا میں زیادہ پاتے تھے۔

اور یہ ایک حقیقت ہے، کیونکہ سرکار دو عالم نے بھی دین کا احساس طبقہ غربا سے وابستہ فرمایا ہے۔

سفر حج اور اجمیر شریف میں دستار بندی

سنہ ۱۲۹۲ھ میں آپ نے سفر حج براستہ بمبئی اختیار فرمایا ملتان اور لاہور سے ہوتے ہوئے دہلی میں حضرت قطب الدین اوشی

(حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے دربار میں حاضری دی وہاں سے اجمیر شریف پہنچے چند یوم قیام فرمایا آستانِ عالیہ کی جانب سے ۷، ذی قعدہ سنہ ۱۲۹۲ھ کو حضور کی دستار بندی کرائی گئی۔ اس سفر میں جہاں آپ نے مزارات شیوخ سے برکات کا استفادہ کیا وہاں عوام الناس نے بھی حضرت فریدؒ کی مصاحبت سے فایدہ اٹھایا۔ بہت سے لوگ آپ کی ہمراہی میں حج کے لیے تیار ہو کھڑے ہوئے آپ نے کسی کو انکار نہ کیا۔ ایک جم غفیر ساتھ ہو لیا۔ جب فریدؒ کا یہ قافلہ سرزمین عرب پر پہنچا تو آپ پر عجیب و غریب کیفیات کا عالم طاری ہو گیا۔ خاک پاک عرب کے ذرے ذرے سے انہوں نے ادب و نیاز کو ملحوظ رکھا اور فرمایا ؎

عرب شریف دی سوہنی ریتے لاوے دل نوں پریم پریتے
دسرے چاچڑ صدقے کیتے اصلوں محض نہ لبھاندے ہین

عرب کی مقدس زمین لاریب برگزیدہ اور رحمت یافتہ ہے جہاں اللہ تعالےٰ کا مرکزِ ہدایت ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری آج تک دردمند دلوں کو حیات تازہ بخش رہی ہے۔ جس کے ذروں سے اہل دل کو سوز دوام کی نعمتیں میسر ہیں جہاں خطاکاروں کو عذر تقصیر پر معاف کیا جاتا ہے جو اہل اللہ کے قلوب کو اپنی سکینت

سے سرفراز کرتی ہے ایسی محمود سرزمین یقیناً عارف حق کے لیے جنت نگاہ اور
لطف اندوزیوں کا مرکز ہو سکتی ہے اس لیے آپ نے فرمایا ؎

دیس عرب دا ملک طرب دا سارا باغ بہار

یوں تو عرب کا چپہ چپہ روحانی فضیلتوں سے بھرپور ہے۔ مگر اس
کا وہ مقدس شہر جہاں گنبد خضرا کی تابانیاں انوار الٰہی سے منسلک ہیں
جسے مدینۃ الرسول کے نام کی عظمت حاصل ہے جو عاشقان با صفا
کا ملجا و ماوی ہے جن کے کوچہ و بازار کی دریوزہ گری فخر شاہاں اور
زینت ایمان ہے اس میں جب حضرت فرید داخل ہوتے ہیں تو عشق و
مستی کی کیفیت سے بیخود ہو کر چاہتے ہیں کہ آستاں بوسی کا فخر
حاصل کریں فوراً جھک جاتے ہیں پھر سر اٹھا لیتے ہیں گویا ایک گونہ
تردد اور اضطراب ہے کسی پہلو کل نہیں پڑتی آستاں بوسی کی جرأت
نہیں ہوتی عجیب کشمکش کا عالم ہے آپ کی اس پریشانی کو دیکھ کر
خادم نے عرض کیا حضرت جلد ہی آستاں بوسی کر لیجیے عوام کا ہجوم بڑھتا
جا رہا ہے آپ نے چشم پرنم ہو کر فرمایا آستاں بوسی کے لئے جب
جھکتا ہوں تو دل سے آواز آتی ہے فرید جا کر تری زبان اور دہان پلید
ہے محمد مصطفےٰ کا آستاں طیب اور پاک ہے اس لئے ارادہ کی
تکمیل میں محرومی نصیب ہے۔ کیا کروں یہ دل کے معاملے ہیں کوئی اور

کیا جانے۔

سبحان اللہ۔ شیخ کامل نے اس احترام و ادب سے مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی تعلیم کی ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید اینجا

ارکان اسلام

آپ ارکان اسلام نماز روزہ وغیرہ کے پورے پابند تھے۔ کہتے ہیں کہ فرائض دین کی ادائیگی میں ہمہ وقت مستعد رہتے۔ نماز میں بے انتہا خشوع خضوع ہوتا۔ متعلقین کو بھی ارکان دین پر پابند رہنے کی ہدایت فرماتے رہتے۔

سماع

سماع کی محفل سے خاص لطف حاصل کرتے طبیعت پر رقت ہوتی گھنٹوں مدہوش رہتے اور گریۂ مسلسل میں روانی دریا کا گمان ہوتا ہے۔

آنکھوں کو شغل گریہ رہا عمر بھر عزیز
دریا کی ساری عمر روانی میں کٹ گئی

مجاہدہ اور روہی

حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہدات اور ریاضات میں زندگی کا ہر لمحہ وقف کر دیا اس شغل کے لئے آپ نے روہی یعنی بیابان ریگستان کی تنہائیاں تجویز فرمائیں۔

اکثر اوقات وہاں رہ کر اپنے مشاغل خصوصیہ کی تکمیل میں کوشاں رہتے۔
ایک سالک منزل کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ہنگامہائے دنیا سے
دور رہ کر اپنے نفس کی سرزنش میں مصروف ہو۔ تاکہ مشاہدات جو حاصل
مجاہدات ہوا کرتے ہیں اور جس کے لئے سالکین راہ اپنی زندگیاں وقف
کر دیتے ہیں کے حصول اور نظارگی میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو۔ اور
دل کی رغبت بجز اس ذوق کے اور کسی دوسرے ذوق کو قبول نہ کر
سکے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے روہی کی ویرانیوں کو اپنا مسکن بنا لیا۔
جہاں ریگ رواں کے ذرات اور قدرتی مناظر کی بوقلمونیوں کے
علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اللہ والوں کا مقصود چونکہ لقائے ربوبیت ہوا
کرتا ہے اور ایسا لقا اسی مقام پر میسر آسکتا ہے۔ جہاں سکون خاطر
کی گھڑیاں نصیب ہوں اور غم دنیا سے دور رہ کر صرف غم وصال سے
دوچار رہنا پڑے اور جب ایسے مقام پر مدعا پورا ہو جائے تو عارف
کے لئے وہ مقام نمایاں عظمت کا حامل ہوتا ہے۔ اور اسی سے اس
کی دلچسپیاں بڑھ جاتی ہیں اس لئے آپ نے فرمایا۔

شالا ہووے ہر دم ساوڑی ڈے ہے روہی یار ملاوڑی وے
گھن اپنی سوہنی سیئڑ کنوں وچ پیپوں لسی گاوڑی ڈے

بعض لوگ خواجہ صاحب کی ان اصطلاحات سے عشق مجازی کے قصے تراشتے ہیں

اور عجیب وغریب باتیں بناتے ہیں جن سے ایک عارف کی عظمت پر بھی حرف آتا ہے اور اپنی کم فہمی کی بھی تشہیر ہوتی ہے خواجہ صاحب چونکہ ملتانی زبان کے شاعر تھے اور انکی شاعری کا سرمایہ ان ہی اشارات و کنایات سے وابستہ ہے جو عوام کے فہم و ادراک کا محور ہو اسلئے آپ نے لقائے حقیقی کی کیفیات کو بھی اسی پیرایہ میں بیان کیا ہے اور بالکل وہی تشبیہات دی ہیں جنہیں ذہن عامہ قبول کرے مگر اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ ایک عارف کے کلام سے وہی کچھ اخذ کیا جائے جو اپنی طبع خام کی پیداوار ہو۔ سوہنٹری سیج اور رنگی وغیرہ کے لفظ سے یہ ضروری نہیں کہ مجازی ہی کی معنوی حقیقت کو قبول کریں اور حقائق و معارف سے آنکھیں بند کر لیں حضرت حافظ شیراز علیہ رحمتہ کا کوئی شعر ایسا نہیں جو شراب کی آمیزش اور اسکی لذتوں کا حامل نہ ہو۔ ریاض جیسے شاعر نے بھی بادۂ ناب اور انکی ارغوانی چاشنیوں کا جا بجا تذکرہ کیا ہے تو کیا اس کا مطلب یہی ہوا کہ ان بزرگان نے شراب کی مستیوں میں عمر گذار دی العیاذ باللہ۔ ہرگز نہیں ان کے سیر نگاروں نے لکھا ہے کہ ان بزرگان نے شراب چکھی تک نہ تھی، تو پھر ہم یہ کیسے یقین کر لیں کہ خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اشعار میں اپنی مجازی کیفیت بیان کی ہے۔ ؎

نیشتر بر قلب درویشاں مزن

خویش را در آتش سوزاں مزن — اقبال

بہر حال یہ محقق بات ہے کہ حضرت فرید علیہ رحمتہ نے روہی یعنی ریگستان ہی کو اپنے مجاہدات کی تکمیل کے لئے چن لیا تھا۔ چونکہ روہی کی تنہائیوں میں آپ مشاہدات کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے اس لئے

آپ نے روہی اور اُس کے دلکش مناظر کی توصیف میں دفتر کے دفتر بھر دیے۔

سادات سے نیاز و ارادت

فرید رحمۃ اللہ علیہ ہر کسی سے محبت کرتے اور انکسار سے پیش آتے تھے مگر قوم سید کے افراد کی تعظیم و تکریم میں والہانہ ارادت سے کام لیتے تھے اور ان کی ہر فرمائش و تمنا کو پورا کرنا لازمی جانتے تھے ایک دفعہ سید مہر شاہ صاحب نے آپ کے یہاں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت مجھ پر دو سو روپیہ سرکاری واجب الادا ہے ادائیگی کی توفیق نہیں کاردار صاحب خانپور میری گرفتاری کے در پے ہے۔ عزت نفس کے علاوہ قومی تذلیل کا اندیشہ لاحق ہے۔ حضور نے شاہ صاحب کی یہ درد بھری کہانی سنتے ہی اسی وقت یک صد روپیہ شاہ صاحب کے حوالہ کیا اور ساتھ ہی ایک مکتوب گرامی کاردار صاحب کے نام لکھ کر بقیہ رقم کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لی۔ اصل مضمون مکتوب یہ ہے۔

کاردار صاحب خانپور سلمہ اللہ تعالےٰ

از فقیر غلام فرید بعد سلام اینکہ نحو سید مہر شاہ صاحب احتیاج چنداں سفارش نیست کہ پیش بندگان اسلام سیادت ذریعہ ارشان کافی

ایست مبلغ یکصد روپیہ ارسال دو دیگر یکصد را فقیر ذمہ دار است
شاہ صاحب را ہیچگونہ تکلیف نہ دہند والسلام

خواجہ صاحب ایک شاعر کی حیثیت سے اور ان کا کلام

خواجہ صاحب فطرت نگار

شاعر تھے عربی فارسی اردو ہندی سرائیکی اور سندھی زبانوں پر کامل عبور تھا۔ عربی کے علاوہ باقی تمام زبانوں میں آپ نے اشعار کہہ اور جوہر فن دکھائے ہیں۔ لیکن ہندی یعنی ملتانی زبان میں جو کچھ آپ نے شاعرانہ عظمت حاصل کی ہے وہ کسی دوسرے ہندی زبان کے شاعر کو نصیب نہیں ہوئی۔ ہندی اشعار میں خواجہ صاحب نے روزمرہ کے حسین و جمیل محاورات اور لطیف تشبیہات ایسے انداز میں بھر دیئے ہیں کہ جن کی بدولت زبان نہ صرف سرمایہ دار ہو گئی ہے بلکہ اس کی مقبولیت اور کمال عروج کا سبب بھی یہی ہے۔ زبان میں سلاست روانی اور مفہوم کی ادائیگی بدرجہ اتم موجود ہے۔ جس کی بلاغت کا یہ عالم ہے کہ خواندہ و ناخواندہ انسان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چونکہ کلام میں اکثر و بیشتر مسائل تصوف، سالک کی کیفیات، عشق و محبت کی واردات اور ہجر و فراق کی دلگداز داستانیں پائی جاتی ہیں اس لئے مجالس میں یہ کلام بطور قوالی سماعت ہوتا ہے شاہ اللہ بخش صاحب

تونسوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس مجلس میں فریدؒ کا کلام نہ سنا جائے وہ مجلسِ سماع بے برکت اور بے فیض ہے۔ خواجہ صاحب کا کلام اُن کی کیفیات طبع کا آئینہ دار ہے۔ عشق حقیقی کی وارداتوں کو یوں بیان فرماتے ہیں ؎

جداں عشق فرید اُستاد تھیا سب علم و عمل برباد تھیا
پر حضرت دل آباد تھیا سو وجد کنوں لکھ حال کنوں

اس کے بعد وہ ان مشکلات کا ذکر کرتے ہیں جو سالک راہ کو طریق محبت میں پیش آتی ہیں مگر وہ سب کچھ حصول جمال جاناں کی خاطر برداشت کرتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

نہیں لایم کارن سکھ وسے میاں پئے پلڑے ورڑے ڈکھڑے میاں
نہ خواہش دنیا دولت دی نا شاہی شوکت حشمت دی
ہے ہک دیدار دی تکھ ڈے میاں

وچ دلڑی درد اندوہ بھری پئی رڑی واتگے جرنگ ذری
نت سڑیم تتی دکھ وکھ ڈے میاں

اس منزل میں بے حد کلفت اور اذیت کا سامنا کرنے کے باوجود وہ کمال ہمت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ ہم مقام عشق میں امیر جماعت ہیں ؎

ہیوں عشق دے ملک دے میراساں   پوشاک ہے سوسنٹھ لیراساں
ہے بستر گھتڑی ٹکہ وسے میاں

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب عشق و محبت کی پرپیچ راہیں طے کرتے ہیں اور انہیں مشاہدہ جمال یار نصیب ہوتا ہے تو وہ بہزار شادمانی کہہ اٹھتے ہیں کہ اب ہم اپنے مقصد کو پہنچ گئے ہیں ہماری پریشانیاں مسرتوں سے بدل چکی ہیں غم واندوہ کی بجائے خوشحالی کا دور دورہ ہے۔ بغیر کسی حجاب کے دل آرام ہمارے سامنے ہے اور ہم اس کے روبرو۔ اس کیفیت کو وہ یوں بیان فرماتے ہیں۔

الیوم یصر صد ید وسے   ہر وقت یار دی دید وسے
کھولی عشق قلب کلید ڈسے   لتھے گجھڑے راز پدید ڈسے
ڈیہہ رات ساوڑی عید ڈسے   تھیا بعد سخت بعید ڈسے
ایہو اونی عید فرید وسے   ازلوں ہے دید خرید ڈسے

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب پر مقامات سلوک کی وہ راہیں منکشف ہو چکی تھیں جن کی جستجو میں وہ عرصہ سے بیقرار اور پریشان حال تھے ایک عارف پر جب ایسی حقیقتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ تو وہ ان میں...... گم ہو کر اپنی ہستی کو معدوم اور فانی پاتا ہے کیونکہ اب ہر ذرہ کائنات اس کے لئے جمال حقیقت کی عین دلیل

ہوا کرتا ہے اور یہی وحدت الوجود کہلاتا ہے اس مقام پر بعض لوگ بے اختیار ہو کر ایسے جملے منہ سے نکال بیٹھتے ہیں جن پر شرعی گرفت حرکت میں آجاتی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب نے اس مقام پر بھی بڑے احتیاط سے کام لیا ہے۔ انہوں نے اپنی عبودیت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اس لیئے انہوں نے مقطع کے شعر میں لفظ عبد استعمال کر کے حصار شریعت کی پناہ لی ہے۔ ایک اور مقام پر بھی خواجہ صاحب نے استغفاریہ اشعار کہہ کر اپنے رنگ عبودیت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

چوریوں جاریوں استغفار ۔۔۔ بخشتم شالا رب غفار
گنڈڑی عادت گندڑے فعلوں ۔۔۔ توبہ توبہ لکھ لکھ وار
کرے سخت گناہ پر تائیم ۔۔۔ توہیں خاوند بخشنہار
پیر پیغمبر تیڈے باہیں ۔۔۔ تو مالک تو کل مختار
میں بد عملی نے کر رحمت ۔۔۔ جیں ڈیتہ یار دی بار ہزار
اوگن ہاری ناں کہیں کم دی ۔۔۔ کو بھی کملی بد کردار
تیڈا اشان ہے فضل کرم دا ۔۔۔ میں وچ ڈوہ تے عیب ہزار
اون یاد گناہ پرانے ۔۔۔ پٹ پٹ روواں زارو زار
رات قبر دی ڈیہنہ حشر دا ۔۔۔ سر تے کڑکم باری بار

میں مسکین فریدہ تاں تیڈا توں بن کون اتارم پار

خواجہ صاحب رحؒ کے دیوان میں بہت سی ایسی کافیاں موجود ہیں جن میں مسلک ہمہ اوست بیان کیا گیا ہے جن سے ان کے ذوق سلوک کی پوری وضاحت ملتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے جذبات قلبی سے متاثر ہو کر یہ سب کچھ لکھا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جونہی واردات استغراق سے باہر آتے ہیں۔ تو فوراً شرعی لحاظ کو مد نظر رکھتے ہیں۔ جیسا کہ

ع اے حسن حقیقی نور ازل تینوں واجب تے امکان کہوں — میں وہ بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔ لیکن جب وارفتگی کا عالم جاتا رہا تو فوراً یہ کہہ کر احترام شریعت بڑھا دیا۔ —

کر توبہ ترت فرید سدا ہر شئے نوں پر نقصان کہوں

اُسے پاک الکھ بے عیب کہوں اُسے حق بے نام نشان کہوں

خواجہ فرید رحمۃ علیہ نے لاریب تصوف کے نازک ترین مسائل کو اپنے کلام میں جابجا بیان فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ ہمہ اوست جیسے مسئلہ پر بھی بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔ جس کا اثر فریدیہ طبقہ نے یہ قبول کیا کہ نعرۂ انا الحق اور وحدت الوجود میں بے راہ روی اختیار کر لی حالانکہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی اس مسئلہ کو پوشیدہ رکھنے

اور اس پر خاموش رہنے کی یوں تلقین فرمائی ہے۔ ؎

تو ڑیں جو دریا نوش ہیں   پھر جوش تھیں خاموش ہیں
اسرار سے سرپوش ہیں   صامت رہیں مارن تک

باقی رہا یہ سوال کہ خواجہ صاحب نے خود کیوں اظہار فرمایا تو ہم پہلے اشارۃً کہہ چکے ہیں کہ انہوں نے واردات قلبیہ کو بپیرا اشعار کیا ہے نہ کہ یہ تاکید بھی کی کہ ہر اہل و نا اہل اس مسئلہ کا اعلان کرتا پھرے۔ اگر اس پہ بھی اصرار ہے تو پھر ہم کہیں گے کہ شرعی لحاظ سے دین کے معاملہ میں قرآن و سنت کے علاوہ نہ تو کسی بزرگ کا قول حجت ہے اور نہ کسی کا شاعرانہ کلام۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مشرب پیر حجت نمی شود دلیل از کتاب و حدیث می باید

شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے خلفا کو ہدایت فرماتے تھے۔

ہمہ اخلاف طریقت را تاکید نمایند کہ ظاہر شریعت آراستہ دارند و باطن بعشق مولی پیراستہ سازند

وحدت الوجود

اس موقعہ پر ہم وحدت الوجود کے مسئلہ پہ بزرگان دین و دیگر عقائد و مذہب کے لوگوں کے خیالات کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ مسئلہ کی نوعیت کا علم ہو سکے۔

یہ مسئلہ توحیدی ہے۔ جو ذات باری تعالےٰ کی پہچان اور معرفت کا مسئلہ ہے اس لئے نہایت دقیق اور نازک ترین ہے۔ علم تصوف میں اس کو اولیت حاصل ہے ویسے بھی ہر دور میں ہر عقیدہ و مذہب کے لوگوں نے اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی سعی پیہم کی ہے مگر انسانی بساط کی فرومائگی دام تصور کو زیادہ نہ پھیلا سکی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کہیں تو تعینات کی زنجیریں پا گیر ہو گئیں اور کہیں تحیرات کے بحر بیکراں میں غوطے کھانے پڑے۔

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے
تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

اصل بات یہ ہے کہ انسانی ذہن نے ہمیشہ خدا کی ایسی صورت بنائی اور مشخص کی ہے جیسی خود اس نے اور اس کے ماحول نے پیدا کر لی تھی گویا جو کچھ بھی اس کے آئینہ فکر و تدبر میں اُسے نظر آیا اُس نے وہی صورت خدا کی بنائی۔ جو ہر طرح سے نہ صرف غلط تھی بلکہ سرتاسر حقیقت سے دوری اور محرومی تھی۔ چنانچہ نزول قرآن کے وقت چار مذہبی تصورات فکر انسانی پہ حکمران تھے ہندوستانی مجوسی یہودی اور مسیحی

۱؎ مکتوبات کلیمی صفحہ ۹۵ مکتوب ۱۲۹

ہندوستان میں وحدت الوجود کی تعلیم سب سے پہلے اوپنشدوں نے دی
تعلیم کی خامیوں نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ عوام کو تو اصنام پرستی
کی طرف مائل کر دیں اور خواص کو وحدت الوجود کی طرف جھکا دیں مگر افسوس
ان کی بے بصری پھر بھی حقیقت کا نقاب نہ اُٹھا سکی۔ اور ہندوستان
ہی میں ہندوؤں نے اوتاروں کے بارے میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ پرمیشر
نے خود مادی جسم قبول کر کے مادی صورت میں جلوہ گری کی ہے مہابھارت
کا بیان ہے کہ کرشن جی مہاراج خود خالق عالم و عالمیان ہے۔ سناتن دھرمیوں
نے پانچوں پانڈوں کو کو ایک نورانی کا فرزند ٹھہرا لیا۔ گوتم بدھ کی تحریک نے
ان سب کے خلاف نمایاں قدم اٹھایا مگر روحانی کیت نے یہاں بھی یہ اثر
دکھایا کہ گوتم کے ماننے والے خود ہی اُسے ذاتِ پاک ٹھہرانے لگے۔

چونکہ روحانی تعلیم کے صحیح خدوخال ان پر واضح نہ تھے اسلئے قدم قدم
پر ٹھوکر کھاتے رہے اور مسئلہ کی صحیح نوعیت کو نہ پا سکے۔ اس مسئلہ کی
حقیقت آشنائی کے سلئے نہ تو زورِ علم درکار ہے اور نہ فہم و ادراک
کی چالاکیاں بلکہ روحانی کیفیات کی برق رفتاریاں اور کشفی راہ پیمائیاں
ہی حصولِ مدعا کے لئے کافی ہوا کرتی ہیں۔ اس میدان میں صرف صوفیائے
دینِ مصطفٰے کا طبقہ کچھ نہ کچھ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ جنہوں نے اس
کارگاہِ فیضانِ رجال کے گوشہ گوشہ میں طلب اور جستجو کی امنگوں کو

عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے۔

گہہ معتکف دیرم و گہہ ساکن کعبہ   یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ

اس مسلک کے محقق حضرت ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ کا کہنا ہے۔ کہ وجود ایک ہے وہی موجود ہے اور یہ (وجود اللہ کا ہے) دوسری چیز فقط اس کا مظہر ہے۔ لہٰذا عالم اور اللہ عین ہیں بلکہ گویں عالم اس صفات کی محض تجلی ہے۔ عالم من حیثیت ہی برائے نام حقیقی وہی موجود ہے۔ جو خارج میں معدوم ہے موجود محض خدا ہے۔ عالم یا کثرت کا وجود صرف تجلیات وحدت کی حیثیت سے ہے۔ اس کے برعکس حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ پہلا قضیہ غلط ہے صفات عین ذات نہیں بلکہ زائد علی الذات ہیں کیونکہ قرآن کہتا ہے ان اللہ یغنی من العالمین لہٰذا وہ اپنی ذات سے کامل ہے اور صفات جن کے ذریعہ سے وہ عالم کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کو پیدا کرتا ہے۔ اس ذات کامل کے علاوہ ہیں سبحان ربک رب العزت عما یصفون یعنی تیرا رب پاک ہے ان صفات سے جن سے وہ اس کی ثناء صفت کرتے ہیں یعنی صفات انسانی اور صفات خداوندی میں کوئی مماثلت نہیں۔

اگر مسئلہ کی حقیقت کو ان بحثوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو بجز منطقی اور فلسفی جھگڑوں کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا وحدت و کثرت کی ان بحثوں میں رکھا ہی کیا ہے بلکہ ایک ذہنی کوفت اور قلبی اضطراب کی کشمکش ہے،

ہاں اس اضطراب میں ایک پہلو سکون کا بھی نکل آتا ہے بشرطیکہ فہم رسا کی کامرانیاں ساتھ دیں مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یوں سمجھایا ہے آپ گورکھ دھندے کی مثال سامنے لائیے بے شمار طریقوں سے ہم اُسے مرتب کرنا چاہتے ہیں مگر ہوتا نہیں بالآخر ایک خاص ترتیب ایسی نکل آتی ہے کہ اس کے ہر جز کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے اور اس کی چول ٹھیک بیٹھ جاتی ہے اب گو کوئی خارجی دلیل اس ترتیب کی صحت کی موجود نہ ہو لیکن یہ بات کہ صرف اسی ایک ترتیب سے اس کا الجھاؤ دور ہو سکتا ہے بجائے خود ایک ایسی فیصلہ کن دلیل بن جائے گی کہ پھر ہمیں کسی اور دلیل کی احتیاج باقی ہی نہیں رہے۔

الجھاؤ کا دور ہو جانا اور ایک نقش کا نقش بن جانا بجائے خود ہزاروں دلیلوں کی ایک دلیل ہے یہ پورا کارخانہ ہستی اپنے ہر گوشہ اور اپنی ہر نمود میں سرتا سر ایک سوال ہے۔ سورج سے لے کر اس کی روشنی کے ذروں تک کوئی نہیں جو یک قلم پرسش و تقاضا نہ ہو جو آیا آتا ضرور کہہ دینا پڑتا ہے کہ ایک قوت کاملہ پس پردہ موجود ہے جس کی یہ ساری کرشمہ سازیاں اور جلوہ طرازیاں ہیں۔

مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اگر غور کریں تو فوراً ہمارے سامنے نمایاں ہو جائے گا۔ انسان کے حیوانی وجود نے مرتبہ انسانیت میں پہنچ کر

دنئو ارتقا کی تمام پچھلی منزلیں بہت پیچھے چھوڑ دی ہیں اور بلندی کے ایک ارفع مقام پر پہنچ گیا ہے جو اسے کرۂ ارضی کی تمام مخلوقات سے الگ اور ممتاز کر دیتا ہے اب اُسے اپنی لامحدود بلندی کا نصب العین چاہیئے جو اُسے برابر اوپر ہی کی طرف کھینچتا رہے اس کے اندر بلند سے بلند تر ہوتے رہنے کی طلب اُبھرتی رہتی ہے اور وہ اونچی سے اونچی بلندی تک اڑ کر بھی رکنا نہیں چاہتی۔ سوال یہ ہے کہ یہ لامحدود بلندیوں کا نصب العین کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں بلا تامل تسلیم کر لینا پڑے گا کہ خدا کی ہستی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اگر یہ ہستی اس کے سامنے سے ہٹ جائے تو پھر اس کے لئے اوپر کی طرف دیکھنے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا گویا زندگی کے ہر پہلو میں انسان کے فطری تقاضے ہیں فطرت نے فطری تقاضوں کے فطری جواب دیئے ہیں۔ اور دونوں کا دامن اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا ہے کہ اب اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ دونوں میں سے کون پہلے ظہور میں آیا تھا۔ لاریب حقیقت کے تصور کو ہر طرح کے تصوری تشخصات سے منزہ کر کے ایک کامل مطلق اور بحت تصور قائم کر دیتا ہے۔ اس تصور کے ساتھ صفات متشکل نہیں ہو سکتیں اور اگر ہوتی بھی ہیں تو تقسیمات اور مظاہر کے اعتبار سے اس عقیدہ کا روشناس اس کی ذات

کے بارے میں بجز اس کے کہ ہے ۔ اور کچھ نہیں کہہ سکتا یہاں تک کہ اشارہ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ اگر ہم اپنے اشارات کی پرچھائیں بھی اس پہ پڑنے دیتے ہیں تو ذات مطلق ۔ مطلق نہیں رہتی تشخص اور حدود کے غبار سے آلودہ ہو جاتی ہے ۔ ؎

مشکل حکایت ست کہ ہر ذرہ عین اوست
اما نمی تواں کہ اشارات باو کنند

اگر ہم ادراک حقیقت کے متمنی ہیں تو پھر ہمیں حواس کی دنیا سے منہ موڑ کر باطنی تجربات کے عالم کی سیر کرنی ہوگی تاکہ اس ذات منزہ کی جلوہ آرا محفل کا مشاہدہ کر سکیں اور وہ بھی اس احتیاط و ادب کے ساتھ کہ ع ہمہ نیستند انچہ ہستی توئی ۔ جب اپنی نیستی اور کسی کی ہستی کا اقرار ہوا تو پھر نہ تو انا الحق کے بلند بانگ نعروں کی گنجائش رہتی ہے اور نہ کسی ایسے اظہار کی ضرورت جس سے حدودِ احترام میں خلل واقع ہو غالب مرحوم نے کیا خوب کہا ۔ ؎

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہمکو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہوا کہ مسئلہ اپنی جگہ مسلم اور محقق ہے مگر اس کا اظہار خلاف آداب دیت ہے کیونکہ یہ سب کچھ عمل کرنے کی ہے نہ کہ گفتنی

یہی وجہ تھی کہ جب حضرت حافظ محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خیر آبادی سے کہا گیا کہ لوگ وحدت الوجود پر گفتگو کرتے ہیں تو فرمایا یہ الحاد اور زندقہ[1] ہے۔

چونکہ اہل اللہ اس مسئلہ کے نفع و نقصان پر خوب نظر رکھتے ہیں اس لئے حضرت شاہ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے فرمایا۔ مسئلہ وحدت الوجود را در پیش ہر آشنا و بیگانہ نخواہد بر زبان آورد[2]

اس سے بڑھ کر حضرت شاہ نور محمد صاحب مہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ انتباہ فرما دیا۔

ہر الم ماضیہ کہ حوادث واقع می شدند محض برائے اظہار وحدت وجود[3]

غور کیجئے اکابرین دین و اولیائے کرام نے اس معاملہ میں کس قدر احتیاط سے کام لیا اور نزاکت مسئلہ کو مدنظر رکھا ہے آخر ہم حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ کے اس خیال سے اکتفا کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں ؎

برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم	وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر	ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

۱۔ مناقب حافظ صفحہ ۱۵۷ ۲۔ مکتوبات کلیمی صفحہ ۴۷ ۳۔ مناقب المحبوبین

علمائے دین کا احترام خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ علمائے دین کا بہت احترام فرماتے تھے احمد پور شرقیہ میں خواجہ صاحب سے لوگوں نے علمائے غیر مقلدین کے عقیدے اور روش کے بارے میں سوال کیا اور کہا کہ یہ لوگ بہت ہی شدت اختیار کئے ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا ان علما پر نکتہ چینی اچھی نہیں ان لوگوں سے تو صحابیت کی خوشبو آتی ہے۔ باوجودیکہ خواجہ صاحب خود حنفی المزاج بزرگ تھے مگر بغض وکینہ کی آلائشوں سے بالکل مبرا اور صاف نظر آتے ہیں۔ یہی اُن کے کمال فضل وعلم کی دلیل ہے۔

تصرف روحانی اہل اللہ کا تصرف روحانی ایک مسلمہ چیز ہے۔ جس کے ذریعے مخلوق خدا کی اصلاح اور رفع مشکلات کیا کرتے ہیں چنانچہ خواجہ صاحب نے بھی اس نعمت سے مخلوق خدا کو نوازا آپ کا ایک مرید بلیہ نامی عرصہ سے بخار میں مبتلا تھا کوئی علاج کارگر نہ ہوتا تھا جب مایوس ہو گیا تو ایک رات روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی خواب میں حضرت فرید کو دیکھا فرما رہے ہیں حکیم ابراہیم کا علاج کرو شفا ہو گی صبح اُٹھتے ہی اس نے حکیم ابراہیم کا علاج شروع کیا تو فوراً شفایاب ہوا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ یوں پیش آیا۔ کہ ایک شخص کسی عارضہ کی وجہ سے چلنے پھرنے

کے قابل نہ رہا تھا۔ اس کے متعلقین عرس کے موقعہ پر اسکو کوٹ مٹھن لائے وہ مجلس خانہ کی دہلیز پر بیٹھ گیا جب حضرت فریدؒ تشریف لائے تو اس نے اپنی پگڑی اتار حضرت کے پاؤں میں ڈال کر کہنے لگا کہ تو چل پھر رہا ہے اور میں اٹھ بھی نہیں سکتا۔ حضرت نے اس کی اس حالت پر رحم کھا کر سہارا دیا اور فرمایا اٹھو اور چل وہ سہارا پاتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تو اسے اب کوئی تکلیف باقی نہ تھی مکمل تندرستی آ چکی تھی کہتے ہیں کہ وہ شخص جب گھر واپس ہوا تو پیدل چل کر گھر پہنچا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا؟

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اولاد آپ کا ایک فرزند خواجہ محمد بخش صاحب نازک اور ایک دختر نیک اختر فخر خاندان ہوئے۔ دختر سعیدہ سے خواجہ امام بخش صاحب کوریجہ کا عقد شرعی ہوا جس کے بطن پاک سے حضرت خواجہ فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

خلافت اور خلفا خلافت کے معاملہ میں آپ نہایت سخت گیر تھے صرف ان لوگوں کو خلافت عطا کی جو عارفین کے اصولوں پہ عامل تھے[1]۔ آپ کے ممتاز خلفا یہ ہیں۔

---

[1] مناقب المحبوبین ۹۴

(۱) حضرت خواجہ محمد بخش صاحب نازک (۲) دیوان ولایت شاہ صاحب اوچ بخاری۔ (۳) خواجہ فضل حق صاحب بہاردی منگھران شریف (۴) میاں حافظ محمد صاحب سجادہ نشین حاجی پور شریف۔

وصال حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ۷ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ کو وصال فرمایا۔ مزار مبارک کوٹ مٹھن میں ہے۔ نور اللہ مرقدہٗ

حضرت حافظ محمد صاحب علیہ رحمۃ جلال پوری ضلع ملتان۔ حضرت فرید کی منقبت میں فرماتے ہیں۔ ؎

کامل انسان مولنا فرید ۔۔۔ دردرا درمان مولنا فرید

واہ عجب عنوان مولنا فرید ۔۔۔ رحمت رحمان مولنا فرید

حافظ نادار بیکس ناتوان

مدح خوان از جان مولنا فرید

سجادہ نشین

خواجہ محمد بخش صاحب نازک رحمۃ اللہ علیہ قدوۃ السالکین حضرت خواجہ غلام فرید علیہ رحمۃ کے لخت جگر ہیں اپنے والد کے بعد سجادہ خلافت کو مزین فرمایا اور سلسلہ کی اشاعت کی۔

ولادت ۱۲۸۳ھ شب دوشنبہ ماہ ربیع الاوّل میں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے حضرت فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا لعاب دہن دے کر ابتدائی نشو ونما کی آبیاری کی۔

تعلیم حضرت نازک جونہی سن شعور کو پہنچے تو حافظ محمد عبد اللہ صاحب چاچڑانی نے آپ کو قرآن مجید پڑھایا اور مولنا نصیر بخش صاحب کے ہاں تعلیم عربیہ کی تکمیل کے لئے بیٹھا دیئے گئے مگر تمام کتب عربیہ کا آغاز حضرت فرید علیہ رحمۃ خود کرا دیا کرتے تھے اور کبھی

کبھی شرحِ جامی شرح عقائد کے اسباق بھی دیا کرتے۔ اسی طرح لوائح جامی بھی پڑھاتے رہے۔ حضرت نازک رحمۃ اللہ علیہ فطرتاً طبع سلیم اور ذہن رسا لے کر آئے تھے اساتذہ کی محنت اور والد کی توجہ خصوصی سے تھوڑے ہی عرصے میں متبحر عالم بن گئے۔

تربیت روحانی

حضرت فرید علیہ رحمۃ نے آپ کی روحانی تربیت خود کی اور علم لطون کی نعمتوں سے اس قدر بہرہ اندوز کیا کہ آپ میں آثار فقر و ولایت نمایاں ہونے لگے زہد و اتقا کے ساتھ اصول عوارف کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ حضرت فریدؒ فرمایا کرتے تھے کہ نازک مقام فقر میں بہت اونچا چلا گیا ہے۔ خدمت خلق کے لئے اب اسے نیچا لے آنا پڑے گا۔ حضرت نازک کو یہ ازلی سعادت نصیب تھی کہ اپنے شیخ جو آپ کے والد بزرگوار بھی تھے کی تربیت اور نظر مسیحا اثر کی فیاضیوں سے خوشہ چینی کا موقعہ ملتا رہا۔ یہ سب کچھ اسی نگاہ کرم کا اثر تھا کہ آپ نے شیخ کے بعد رشد و ہدایت کے نیر تاباں ثابت ہوئے اور ایک عارف باللہ کی مسند کا وارث ایک عارف کامل بنا۔

علمی تبحر

جب علم عرفان کی کامگاریاں نصیب ہوں تو علم ظاہری پر بھی پوری دسترس میسر آجایا کرتی ہے چنانچہ حضرت نازک علم ظاہری میں بھی نمایاں شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کے دربار

میں جلیل القدر علما کی ہر وقت محفل جمی رہتی علمی مباحثوں کا دور دورہ ہوتا مختلف مسائل کی تحقیق کی جاتی۔ حضرت نازک خود بھی دقیق اور پیچیدہ مسائل کو نہایت بلیغانہ انداز میں بیان فرماتے رہتے زمرہ علما میں ایکبار فرمایا۔ کلوا واشربوا ولا تسرفوا کی تفسیر کیجیے، ہر صاحب علم نے اپنے اپنے زاویہ نگاہ کے تحت تفسیر بیان کی آپ خموشی سے سنتے رہے۔ جب علمائے مجلس اپنا زور علم دکھا چکے تو آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔ کھاؤ۔ پیو لیکن اسراف نہ کرو۔ اسراف سے مراد یہ ہے۔ کہ اگر تم سوکھی روٹی بھی کھاؤ لیکن پھر بھی فسق و فجور میں لگے رہو تو یہ اسراف ہے اس کے برعکس اگر تم نے عمدہ اغذیہ کھالیں اور رات بھر شغل الٰہی میں بسر کردی ہے تو یہ اسراف نہیں گرچہ بظاہر اس کھانے کا خرچہ سوکھی روٹی سے زیادہ ہوا ہے حضرت کی اس تفسیر بیان کرنے سے علما پہ حیرت طاری ہو گئی۔۔ بجز اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے کہ حضرت آپ تدبر فی العلم میں ید طولیٰ رکھتے ہیں نکتہ سنجی اور معنی آفرینی میں آپ کی کوئی نظیر نہیں۔ یہ حضرت فرید کا کرم ہے کہ آج مفہومات قرآن کا صحیح ذوق آپ کے دل و دماغ کی زینت ہے ایسے پاکیزہ اور عمدہ نکات وہی بیان کر سکتا ہے جس کا قلب سکینۂ الٰہی کا مرکز ہو اور جس کی نگاہ حقائق و معارف کی پیچیدگیوں تک پہنچ سکتی ہو۔

درس و تدریس آپ نے کتب درسیہ کا درس تو نہیں دیا البتہ کتب تصوف لوائح شریف وغیرہ کا درس دیا کرتے تھے اس حلقۂ درس میں علاوہ دیگر حضرات کے حضرت احمد دین صاحب پہاران شریف سید محمد نواز شاہ صاحب مولوی نور احمد صاحب پائی گڑالے مولوی محمد یار صاحب گڑھی اختیار خاں دیوان مہر جہانیاں صاحب بخاری موجود رہتے اور علم تصوف حاصل کرتے۔

عبادت حضرت نازک رحمۃ اللہ علیہ بڑی پابندی کے ساتھ عبادت ریاضت میں مشغول رہتے نماز تہجد کے بعد ان لوگوں کو باطنی تعلیم بھی کیا کرتے جو اس غرض سے آپ کے پاس حاضر رہتے تھے۔

آپ کا دریا پر تصرّف یوں تو اس خاندان کا ہر فرد ولایت و کرامت کا مجسمہ ہو گذرا ہے مگر خواجہ محمد بخش صاحب نازک رحمۃ اللہ علیہ سے خوارق کا اظہار بڑی کثرت سے ہوا آپ بسا اوقات دریائے سندھ کی تندو تیز موجوں کے باوجود اس کی سطح پر پلتھی مار کر بیٹھ جاتے اور میلوں میلوں اسی طرح سفر دریا طے کرتے

ایک غلطی کا ازالہ بعض لوگ اہل اللہ کی کرامتوں کا بڑی شدت سے

سالغہ انکار کرتے اور اس قسم کے واقعات کو اُن کے ارادتمندوں کی اختراع بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ چیز نہ تو اختراعی ہے اور نہ ہی صرف عقیدت مندی کے جذبہ کی پیداوار ہے۔ اہل سنت کا طبقہ کرامت اولیا کا قائل اور معتر ہے شرح عقائد جو عقائد کے مسائل پر محقق کتاب ہے جو آج تک نصاب درسی میں داخل ہے۔ کی عبارت واضح طور پر یہ کہتی ہے کہ کرامت الاولیاء حق اس کی تشریح میں یہ کہا گیا ہے کہ کرامتہ ظہور امرخارق للعادۃ اور پھر دلیل کرامت کیلئے یہ بھی لکھا پایا گیا ہے والدلیل علی حقیقۃ الکرامتہ ما تواتر من کثیر من الصحابۃ و من بعدھم۔ تو ثابت ہوا کہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک ولی اللہ کی کرامت ایک مسلمہ امر ہے جس کے اظہار کا مقصد بھی اُن آیات الہی سے ہے جن کے ذریعے تبلیغ توحید و رسالت ہوا کرے تاکہ منکرین پر راہ ہدایت واضح ہو۔ ولی اللہ چونکہ مطیع فرمان رسول اللہ اور عارف صفات باللہ ہوتا ہے اسلئے اُس میں قدرت کی جانب سے ایسے کمالات ودیعت کئے جاتے ہیں اور وہی کچھ اس کی ممتازیت کا نشان ہے اور یہی امتیاز نہ صرف حیرت کن ہے بلکہ اللہ تعالےٰ کی خاص نعمتوں کا خاص بندوں پر اظہار بھی ہے۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ شیر کی سواری فرما سکتے ہیں حضرت سیدنا عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کا خط دریائے نیل کی بے راہ روی کو ٹھیک کر لیتا ہے۔
حضرت چشتی اجمیری علیہ رحمۃ کا جو آتش پرستوں کے آتشکدے کو بجھا
کر رکھ دیتا ہے تو حضرت نانک رحمۃ اللہ علیہ کی پاکیزہ اور طبیب روحانیت
بھی دریائے سندھ کی وسعتوں اور تند و تیز جولانیوں پر قدرت حاصل کر
سکتی ہے۔

ہر کہ عشق مصطفےٰ ساماں اوست بحر و بر در گوشۂ داماں اوست

حضرت ذوقی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے مشائخ
طریقت میں سے گذرے ہیں اپنی تصنیف سرِ دلبراں میں لکھتے ہیں۔
کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ عام اور خاص ولایت عامہ تمام ایمان و اسلام
عمل والوں کے لئے ہے۔ ولایت خاصہ واصلین حق کے لئے ہے۔ ولایت
خاصہ میں دو انواع ہیں۔
وَلایت اور وِلایت۔ وَلایت بفتح واو۔ سے مراد وہ ولایت
ہے جس میں بندہ کو حق تعالیٰ کی جانب سے وہ تصرفات عطا ہوتے ہیں
جن سے طلب الٰہی کی استعداد رکھنے والوں پر اثرات ڈالے جاتے
ہیں اور سالکان راہ طریقت کو مقامات قرب تک پہنچایا جاتا ہے۔
وِلایت بکسر واو سے مراد وہ ولایت ہے جس میں وہ تصرفات عطا
ہوتے ہیں جو خلق میں مقبولیت کا باعث ہوں مثلاً خوارق و تصرفات تکوینی۔

برطور ولایت جس نوع کی بھی ہو اصلاح نفوس کی حامل ہوا کرتی ہے جس سے معرفت الٰہی کے ساتھ ساتھ عبودیت کے بلند مقامات کا پتہ چلتا ہے عابد و معبود میں قرب کے رشتے استوار ہوتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے۔ جہاں لاخوف علیھم و لاھم یحزنون کی صدا عارف کے دل و دماغ کو مستغنی عن الوساوس کر دیتی ہے۔

مہاران شریف میں تشریف آوری اور چشتیاں منڈی کی پیشگوئی

حضرت شیدائی کی اسنتدعا پر آپ شیدانی تشریف لائے وہاں سے خانبیلہ اور پراران شریف حضرت میاں احمد دین صاحب علیہ رحمتہ کی دعوت پر آئے پراران سے ڈیرہ نوابصاحب پہنچے کچھ روز قیام فرما کر مہاران شریف بہ موقعہ عرس حضرت قبلہ عالم تشریف فرما ہوئے۔ سرائے کے صحن میں حضرت کی رہائش کے لئے خیمہ نصب کیا گیا خواجہ فضل حق صاحب منگھیروی اور خواجہ الٰہی بخش صاحب بغرض ضیافت ہر وقت خدمت میں رہتے اختتام عرس پر آپ خانقاہ قبلہ عالم سے جنوب مشرق کی طرف ریلوے لائن پار منتقل ہو آئے اور یہاں پہ خیمہ نصب کرا کر قیام پذیر ہو گئے۔ اور ہدایت فرمائی کہ ہمارے متعلقین بھی اپنی رہائش کے لئے شولداریاں لگا لیں آپ کے خیمہ میں صرف میاں حسین بخش میاں رحیم بخش و نثار خاں جو مقرب

خدام میں سے تھے ساتھ رہتے آپ پلنگ پر آرام فرماتے باقی تمام فرش زمین پر لیٹ جاتے اس طور سے حضرت نازک رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی بسر اوقات فرماتے اسی اثنا میں ایک رات خوب بارش ہوئی حتی کہ خیمہ اور شتر لداریوں کے اندر پانی ہی پانی بھر آیا۔ آپ فطرتاً باران رحمت کے موقعہ پر مسرور خاطر ہو جایا کرتے تھے چنانچہ اس موقعہ پر بھی آپ پر انبساط کے آثار نمایاں تھے جس سے آپ کے قلب کی نشاط انگیزی کا پتہ چل رہا تھا۔ اسی عالم کیف و طرب میں فرمانے لگے کہ مجھے اس جگہ سے شہر کی آواز آتی ہے ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہاں پر نہایت بارونق شہر آباد ہوگا یہ وہی مقام تھا جہاں پر آج چشتیاں منڈی آباد ہے۔ ؎[1]

جس جا پہ کیا پائے گرامی نے تردد اس جا پہ اک باغ لگاتے ہوئے آئے

سلسلہ کی ترقی

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ کے سلسلہ کو بے انتہا فروغ دیا ان کے بعد جب حضور نازک سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے بھی اپنے سلف کے طریق پر سلسلہ کی اشاعت کو چار چاند لگا دیے مخلوق خدا کا ہجوم علم و ادب کی محافل تزکیۂ نفوس کی گرمیاں اور روحانی

---

[1] ہشت اقطاب صفحہ ۱۴۲

زینت کی سرمستیاں چاچڑاں شریف میں مرکزیت کی حیثیت اختیار کر چکی تھیں گویا حضرت فرید علیہ رحمتہ کا یہ لخت جگر جادہ فرید کا صحیح وارث ثابت ہوا جس سے مخلوق خدا نے افادیت کے گلہائے رنگا رنگ چنے

علالت اور جد و جہد علاج

حضرت نازک رحمتہ اللہ علیہ کی طبع مبارک چاچڑاں شریف میں علیل ہوئی تو علاج کی غرض سے خانپور تشریف لے گئے وہاں پر افاقہ نہ ہوا تو رخت سفر باندھ کر دہلی روانہ ہوئے دہلی میں مسیح الملک جناب محمد اجمل خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے زیر علاج رہے حضرت حکیم صاحب نے کمال توجہ سے تدبیر علاج فرمائی مگر نوشتہ تقدیر کچھ اور تھا آرام نہ ہوا طبیعت نہ سنبھل سکی روز بروز کمزوری بڑھتی چلی گئی مسیح الملک نے ایک دن نبض دیکھ کر آپ کے خدام سے علیحدہ گی میں کہا کہ حضرت کی نبض بہت ہی کمزور پڑ گئی ہے بہتر ہے کہ آج ہی آج واپس وطن کو چلے جائیں ممکن ہے کہ دو چار روز میں آپکو سفر آخرت کرنا پڑے حکیم صاحب کے اس ارشاد سے خدام گھبرا کر آہ و بکا کرنے لگے حضرت کو علم ہوا تو خدام کو بلا کر فرمایا گھبراؤ نہیں ہم دہلی میں نہیں مریں گے چاچڑاں شریف پہنچکر دیکھا جائے گا۔ خدام نے عرض کیا حضرت بہتر ہے کہ آج ہی آج مراجعت وطن کر لیں

آپ نے فرمایا نہیں۔ کل دیکھا جائے گا۔ دوسرے روز صبح حضرت مولنا معین الدین صاحب فرزند ارجمند حضرت نازک رحمۃ اللہ علیہ چاچڑاں سے دہلی تشریف لائے آپ نہایت مسرور خاطر ہوئے اور اپنے لخت جگر سے فرمایا۔ بیٹا آج ہی واپس چلنا ہے ہم اسٹیشن پر چلے جائیں گے آپ شہر دہلی کی سیر کر کے وقت مقررہ پر اسٹیشن پہنچ جائیں چنانچہ حضرت معین الدین رحمۃ اللہ علیہ تفریح شہر کو تشریف لے گئے وہاں سے فارغ ہو کر اسٹیشن پر پہنچے گاڑی میں سوار ہو کر اپنے والد محترم کے ساتھ خانپور آگئے۔ حضرت رحمۃ اللہ نے خانپور میں چند روز قیام فرمایا اسی اثنا میں حاجی غلام محی الدین خانصاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس بہاولپور اور صالح محمد خانصاحب تحصیلدار خانپور حضرت نازک رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم مولوی رحیم بخش صاحب پریذیڈنٹ بہاولپور کے حکم سے حاضر ہوئے ہیں حضور کی طبیعت علیل ہے۔ مولوی رحیم بخش صاحب فرماتے ہیں۔ کہ حضرت کو اگر کوئی وصیت فرمانی ہو تو ہمیں اس سے آگاہ فرماویں۔ تاکہ تعمیل ارشاد ہو۔ حضرت ان کے منشا کو بھانپ گئے جواباً فرمایا میں اپنے فرزند کامل کے ہوتے ہوئے کسی وصیت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

وصال اس کے بعد آپ چاچڑاں شریف تشریف لائے اور ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو عالم فانی سے ریاض جنت کی سیر

تشریف لے گئے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

آپ کے مشہور خلفاء میں آپ کے فرزند حضرت

آپ کے مشہور خلفاء معین الدین نور اللہ مرقدہٗ اور مولانا نور احمد

صاحب پائی والے ریاست بہاولپور

حضرت میاں احمد دین صاحب پراں شریف ریاست بہاولپور تحصیل لیاقت پور

جام حامد صاحب علاقہ جلال پور پیر والہ ضلع ملتان۔

صاحب کمال نور زینت سلسلہ گزرے ہیں ۔ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

سجادہ نشین

حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت خواجہ محمد بخش صاحب نازک رحمۃ اللہ علیہ کے دو ماہ بعد مسند سجادگی پر بیٹھے عنفوان شباب کا زمانہ تھا کہ آپ میں آثار ولایت نمایاں ہونے لگے جس کی تائید میں خواجہ نازک کریم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ معین الدین صاحب مستجاب الدعا ہیں جس کسی کو استخلاص مصائب کرانا ہو تو وہ ہمارے لڑکے کی جانب رجوع ہو۔

تعلیم | خاندانی روایات کے تابع آپ نے فارسی تعلیم سکندر نامہ تک مولوی برخوردار صاحب کے ہاں حاصل کی۔ علوم عربیہ کی کتابیں مولوی احمد صاحب اور مولوی تاج محمود صاحب سے پڑھیں چند اسباق مولوی محمد یار صاحب گڑھی اختیار خاں والے سے

بھی پڑھے اور اپنے والد ماجد حضرت نازک رحمتہ اللہ علیہ سے بھی علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ اور ہر لحاظ سے زیورِ کمال سے آراستہ ہوئے

تبحر علمی

تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ حضرت مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی جو بعد میں شیخ الجامعہ بہاولپور ہوئے اور مولانا محمد امیر صاحب آپ کے ہاں چاچڑاں شریف میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان حضرات سے مسئلہ صفات اللہ لاعینہٗ و لا غیرہٗ پر گفتگو شروع کر دی اور علماء سے اس پر بحث چاہی حضرت شیخ الجامعہ مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی جو جامع معقول و منقول تھے نے نہایت ہی لطیف پیرایہ میں بسیط تقریر فرمائی جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت معین الدین رحمتہ اللہ علیہ واہ واہ اور سبحان اللہ کا ورد فرمانے لگے مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی رحمتہ اللہ علیہ جہاں یگانۂ روزگار عالم تھے وہاں آپ فقیر دوست اور درویشانہ عظمت کے قائل بھی تھے آپ نے نہایت خلوص اور ادب سے حضرت خواجہ معین الدین صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ بھی اس مسئلہ پر اپنے خیالات عالیہ کی روشنی میں تقریر فرمایئے تاکہ ہم لوگ مستفیض ہو سکیں۔ خواجہ معین الدین علیہ رحمتہ نے بے تکلفانہ انداز میں تقریر شروع کر دی۔ بیان میں ایک سحر تھا جس سے علمائے کرام مسحور ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور فرمانے لگے کہ حضرت آپ کے

معلومات علمیہ اور مدبرانہ گفتگو سے ہمیں اچھی طرح استفادہ کرنے کا موقعہ ملا ہے واقعی آپ کا علم آپ کے اسلاف کی روحانیت کا آئینہ دار ہے۔ اس کے بعد حضرت معین الدین علیہ رحمت نے اپنے خاندانی دستور کے مطابق ان علما کی عطیہ سے تکریم فرمائی اور قدر جوہری دانند کے اصول کو قائم رکھا۔

ایک حقیقت

یہ ایک حقیقت ہے کہ گوریجہ خاندان کی دلچسپیاں ہمیشہ علمی مشاغل سے وابستہ رہی ہیں خود بھی علمی منصب میں باکمال ہوئے اور اہل کمال حضرات کو ہمیشہ پسندیدہ نظروں سے دیکھتے رہے کسی خاندان کا علم و ادب کی طرف مائل ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اس لائحۂ عمل سے علم دین کو فروغ دیتے اور عوام کو اس کی طرف رغبت دلاتے ہیں تاکہ اللہ جل شانہٗ کی معرفت اور رسالتماب سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کا صحیح علم ہو سکے ؎

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت کا احساس اس خاندان کے رگ و پے میں ہر وقت موجود رہتا ہے گوریجہ خاندان کی عظمت کے یہ بس ہے کہ ان کا بچہ بچہ علم معرفت کے ساتھ ساتھ علم مرتبہ میں بھی ممتاز نظر آتا ہے

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

مزید طلب کمال ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ خواجہ معین علیہ رحمۃ میں ابتدا ہی سے آثار کمال پائے جاتے تھے مگر باوجود اس کے آپ ہمیشہ ٹھنڈی سانسیں لیتے اور فرماتے اے کاش مجھے اپنے بزرگان کی طرح کمال حاصل نہ ہوا۔ اس طلب اور جستجو نے آپ کو ہر دم بیقرار رکھا اور اسی اضطراب کے عالم میں ایک رات اپنے بزرگوں کے مزارات پر چلے گئے شب بھر وہاں گریہ و زاری کرتے رہے صبح کو جب فارغ ہوئے تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ گریہ مسلسل کے ساتھ آپ پر بیخودانہ کیفیت طاری ہے اب کچھ رنگ ہی دوسرا معلوم ہوتا ہے۔ شیخ کا دل و دماغ معرفت کی پاکیزہ شراب سے مخمور اور حقائق آگاہی سے مسحور ہے۔ گویا حضرت معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی سعی پیہم نے انہیں منتہائے کمال کو پہنچا دیا۔ مخدوم گنج بخش صاحب ساکن اوچ متبرکہ اپنی مجلس میں بار بار فرماتے تھے کہ اگر حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ مزید چار سال اس دنیا میں رہتے تو لندن والے بھی آپ کے دست حق پرست پر مرید ہو جاتے۔

عبادت فرائض پنجگانہ نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتے اور ہمہ وقت یاد الہی میں مشغول رہتے رات کا اکثر و بیشتر حصہ نوافل ادا کرنے میں گذار دیتے۔ اگر کسی وقت بستر پر لیٹ جاتے تو بھی آپ

غفلت قطعی نہ ہوتی بلکہ پاس انفاس کا مشغلہ جاری رہتا۔ قریب کے رہنے والوں کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب ہر حالت میں ہوشیار اور بیدار رہتے تھے ان پر وہ غفلتیں قطعی مسلط نہ تھیں جن سے عام انسان متاثر ہوتے ہیں۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور لیٹنا ایک عجیب و غریب کیفیت کا حامل تھا جسے ذہن عام سمجھنے سے عاری ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اعضا اور اعصاب کی غفلت دل کی غفلتوں سے وابستہ ہے جب یہ بیدار ہو تو پھر وجود کی ساری کائنات بیدار ہو اکرتی ہے اور یہ اس وقت جاگ اٹھتا ہے جب اس میں اللہ تعالےٰ کی عظمت اور اس کا عرفان جاگزیں ہو عارف باللہ چونکہ اس نعمت سے بہرہ اندوز ہوتا ہے اس لئے اس پہ نہ تو غفلت کے حملے ہونے ہیں اور نہ ہی کوئی ایسا فعل سرزد ہونے کا امکان جس سے یاد الہی میں خلل واقع ہو۔ ؎

دعا ہے دل زندہ تو نہ مرجائے کہ زندگی عبارت ہے ترے جینے سے

دل تمام جوارح اور اعضا پر حکومت کرنے والا شہنشاہ ہے۔ یہ اگر روحانی کیفیات کا حامل ہو تو پھر بذاتہ مرشد طریقت بھی بنتا ہے اور پیغمبر صداقت بھی خدا نخواستہ اگر یہ بے راہ روی پہ آجائے تو پھر تخریب عمل کا موجب ہو کہ انسان کو فسق و فجور کے راستے پہ ڈال دیتا

ہے۔ یاد الٰہی جو کسی عارف کی توجہ سے بطریق احسن میسر آسکتی ہے۔ وہ گوشت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کو مجلی اور مصفا بنا دیتی ہے آیئے ہم بھی اپنے قلوب کے زنگار جانے کو کسی مرد مومن کی نگاہ سے صیقل کرالیں تاکہ بادۂ معرفت سے مخمور ہوسکیں۔

اللّٰھم اھدنا الصراط

مقام مرشد و بیعت

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ بیعت کرنے کا اس مرشد اور پیر کو حق ہے جیسے اپنے جسم کے ہر بال کا علم ہو جب بھی کسی موئے بدن کو تکلیف پہنچے وہ اس کا علاج کر سکے اور یہ بھی فرمایا کہ مرید کا مال پیر پر حرام ہے اور پیر کا مال مرید کے لئے حلال ہے شیخ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی بیعت کرنے سے پیشتر یہ ضروری ہے کہ پیر کے بلند مرتبہ ہونے کی تحقیق اس معیار پر کر لی جائے جو کہ انہوں نے بیان فرمائی ہے تاکہ مرید کو صحیح تعلیم ہو سکے اور وہ اپنے اخلاق کی درستی مرشد کامل کی صحبت سے کرا سکے۔ بزرگان سے سنا گیا ہے کہ اگر مرشد کامل ہو تو وہ اپنے مریدوں کے احوال پر مکاشفہ کے ذریعے بھی مطلع ہوتا رہتا ہے اور اپنی روحانی طاقت سے ان کی اصلاح کیا کرتا ہے تاکہ یاد الٰہی سے ان کے وابستگان غافل نہ ہوں۔

لنگر حضرت معین الدین رحمۃ اللہ کے زمانے میں بھی لنگر کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا۔ عرس کے موقعہ پر ایک بار کوٹ مٹھن میں فرمایا کہ بازار کے دوکانداران کو مطلع کر دیا جائے کہ وہ اس موقعہ پر بازار میں کھانا نہ فروخت کیا کریں تمام زائرین کے کھانے کا انتظام لنگر میں ہوا کرے گا۔ کیونکہ ہمارے شیوخ کا دستور العمل یہی تھا۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ مخلوق خدا کو لنگر ہی سے کھانا ملتا رہے۔ تاکہ بزرگان کا یہ صدقہ جاریہ قائم رہے۔

عرس اور میلہ میں امتیاز ایک بار اللہ بخش خادم نے آپ سے عرض کیا کہ اوچ میں میلہ کے موقعہ پر مخادیم اوچ متبرکہ بازار نیلام کر دیا کرتے ہیں جس سے آمدنی میں اضافہ ہوتا رہتا ہے آپ اگر اجازت دیں تو ہم بھی ایسا کر لیا کریں تاکہ لنگر کی آمدنی میں اضافہ ہو خادم کی بات طبع گرامی پر بیحد گراں گذری چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ عرس اور میلہ میں فرق ہونا چاہیئے تم اللہ کے لیے خرچ کرو وہ لنگر میں نزول برکت فرمائیں گے۔

کارکنان کو ہدایت فصل کی بٹائی کے ایام میں کارکنان سے فرمایا۔ دیکھو فقیر اور تم سب خدا اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لنگر کے مہمان ہو تقسیم کے معاملہ میں نہایت دیانتداری

سے کام لیا کہ وہ کسی مزارعہ و اہل حق کا حق نہ دبا یا کیونکہ اس دنیا کا مال نہ تمہارا ہے اور نہ میرا ہم تو بظاہر قاسم کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ہدایت اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ اہل اللہ کو حب مال اور جلب زر سے قطعی لگاؤ نہیں ہوتا۔ وہ حرص دنیا سے پاک اور حقوق العباد کے محافظ ہوتے ہیں اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ کے تحت زندگی بسر کر کے مخلوق خدا کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ نبوت کی مقدس تعلیم کا منشا پورا ہو سکے۔

احترام شریعت

حضرت خواجہ صاحب نے حکم دے رکھا تھا کہ اعراس کی تقریب پر خانقاہ مبارک پر عورتوں کا آنا قطعاً بند کر دیا جائے تاکہ مردوں اور عورتوں میں اختلاط نہ ہو کیونکہ شرعاً یہ اختلاط ممنوع ہے۔ اور اس کے نتائج یقیناً ملت کے لئے رسوا کن ہیں۔ خواجہ صاحب کی یہ احتیاط تعلیم دین کے پیش نظر تھی حالانکہ وہ زمانہ آج کے دور سے نسبتاً بہت بہتر تھا لیکن باوجود ایں ہمہ ایک عارف کی دوررس نگاہ ان خطرات سے قطعی غافل نہ تھی جو انسانی لغزشوں اور شہوانی تقاضوں سے ہر

دقت پیدا ہو سکتے ہیں۔ غور کیجئے کہ آج کے پُر آشوب زمانہ میں جبکہ نہ نگاہوں میں پاکیزگی رہی ہے اور نہ ہی جذبات نفسانی پر قابو پانے کا سلیقہ موجود ہے تو پھر مردوں اور عورتوں کا باہمی اختلاط کس قدر ضرر رساں اور جنبش شہوانیت کا موجب ہو سکتا ہے مگر ہم ہیں کہ اس اندیشہ سے بالکل بے پرواہ ہو کر مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو زمانہ کی ترقی پہ محمول کئے ہوئے ہیں۔ وائے بیخبری۔ ؎

وہ شاخ گل پہ زمزموں کی دھن تراشتے رہے
اور شیمنوں سے بجلیوں کا کارواں گذر گیا

سماع

سماع سے آپ کو بے حد شغف تھا۔ مگر آداب سماع کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے ایک دفعہ عرس کے موقعہ پہ مہتہ اودھو داس جو ریاست بہاولپور میں سیشن جج کے عہدہ پر فائز تھا حضرت کے ہاں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے آج محفل سماع میں شمولیت کی اجازت دی جائے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا مہتہ صاحب آپ ہمارے برگذیدہ مہمان ہیں ہر طرح سے آپ کا احترام ملحوظ ہے مگر محفل سماع کے شمول کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ محفل سماع پہ کڑی پابندیاں ہمارے بزرگان نے عاید کر دی ہیں جن کی بنا پر مجھے معذور جانیں امید ہے آپ کبیدہ خاطر نہیں ہوں گے مہتہ صاحب

معقول انسان تھے حضرت کے اس فرمان پر سر تسلیم خم ہو گئے۔

جنات پر تصرف

کسی اہل اللہ کے لئے یہ قطعی مشکل نہیں کہ وہ دنیا و ما فیہا پر اپنی کامرانیوں کا سکہ نہ بٹھا سکے۔

چنانچہ حضرت خواجہ معین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک پیر بھائی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت جنات نے میرے گھر پہ ڈیرہ جما رکھا ہے تمام اہل خانہ تنگ اور پریشان حال ہیں خدارا توجہ فرمائیے۔ آپ نے میاں سوہا ڈاکوریجہ کو بلا کر فرمایا کہ اس کے گھر کے درخت کے پیچھے جا کر جنات کو میرا اسلام کہو اور پیغام دو کہ ان گھر والوں کو تنگ نہ کرو یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ اس روز کے بعد اس گھر میں پھر کوئی واقعہ رونما نہ ہوا ہمیشہ کے لئے وہاں سے جنات کا تسلط ختم ہو گیا اور اہل خانہ سکون سے زندگی بسر کرنے لگے۔ ؎

با سلاطین چوں فتد مرد فقیر
از شکوہ بوریا لرزد سریر

نوابان جھل مگسی کا تعلق

نوابان جھل مگسی ابتدا ہی سے کوریجہ حضرات سے وابستہ عقیدت رہے ہیں چنانچہ نواب قیصر خاں مگسی والی ریاست جھل نے جب اپنے بڑے لڑکے گل محمد خاں کو حقوق ولیعہدی سے محروم کرنا چاہا تو گل محمد خاں نے حضرت خواجہ

معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حضور حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت میرے والد مجھے محروم حقوق کرنا چاہتے ہیں آپ توجہ فرمائیے۔ گل محمد خاں فصیح و بلیغ شاعر اور خلیق نوجوان تھا۔ حضرت خواجہ صاحب نے اُسے چند روز اپنے ہاں ٹھہرنے کو کہا۔ ایک روز گل محمد خاں سے کہا کہ تم فوراً اپنے گھر چلے جاؤ۔ اللہ تعالےٰ رحم فرمائے گا خان گھر پہنچا ہی تھا کہ حکومت انگلشیہ نے قیصر خاں کو معزول کر کے وطن بدر کر دیا اور اس کی بجائے گل محمد خاں کو نواب جھل مقرر کر کے اختیارات تفویض کئے۔ قیصر خان اپنی ریاست کو چھوڑ کر ملتان قیام پذیر ہو گیا اور یہیں پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ جس کا مزار خانقاہ معلی حضرت سلطان العارفین بہاؤالحق زکریا ملتانی کے بجانب جنوب موجود ہے۔

وصال حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ بات ناگوار گذرتی ہے کہ چاچڑاں شریف میں مر جائے اور پھر لوگوں کے کندھوں پہ سوار ہو کر کوٹ شریف پہنچے۔

چنانچہ آپ ۲۱ جمادی الاوّل ۱۳۲۷ھ کو بغرض شمول عرس حضرت خواجہ فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ کوٹ مٹھن تشریف لے گئے

وہاں پہنچتے ہی پلنگ پر لیٹ گئے۔ بہت دیر گذرنے پر خدام نے دیکھا تو آپ واصل بحق ہو چکے تھے یہ واقعہ ۱۲ رجمادی الاوّل ۱۳۳۱ھ کو پیش آیا۔ نور اللہ مرقدہٗ

اولاد حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا چھوٹا لڑکا خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا جانشین چھوڑا۔

خلیفہ کہتے ہیں کہ مولانا محمد یار صاحب رح ساکن گڑھی اختیار خان کو اُن کے اصرار پر خلعت خلافت سے نوازا تھا واللہ اعلم بالصواب

خواجہ قطب الدینؒ

آپ سات آٹھ برس کے تھے کہ شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا مگر فطرتاً بیدار دل اور فرزانہ دماغ ساتھ لائے تھے بچپن ہی میں آپ سے کشف و کرامات کا ظہور ہونے لگا تھا اس لئے مرجع خلائق بن گئے

والدہ کو بشارت

نقل ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو خواب میں حضرت خواجہ غلام فرید علیہ رحمۃ نے بشارت دی تھی کہ تیرے بطن مبارک سے کامل ولی کا ظہور ہوگا۔ اس بشارت کے تحت آپ مادر زاد ولی اللہ تھے۔

قطب کی قطب سے ملاقات

ہفت اقطاب کے مولف نے لکھا ہے کہ ایک دن آپ پتنگ اڑا رہے تھے کہ آپ نے خادم کو بلا کر پتنگ کی ڈور

اُس کے ہاتھ میں دے کر قریب کے ایک درخت کے نیچے چلے گئے۔ وہاں پر ایک اجنبی بشکل فقیر آ پہنچا حضرت قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور وہ کچھ دیر تک باہمی محو تکلم رہے۔ پھر یکایک وہ اجنبی شخص غائب ہو گیا۔ لوگوں کو تعجب ہوا دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا وہ ایک قطب تھا جو دہلی سے آیا تھا۔ اب واپس دہلی چلا گیا ہے۔ لوگوں نے ہر چند اس اجنبی کی تلاش کی لیکن وہ نہ مل سکا۔ خواجہ صاحب سے متعلق ایسے بہت سے واقعات ہیں جن سے ان کی ولایت واضح ہوتی ہے اور یہ کمال بعید از قیاس و عقل بھی قطعی نہیں کیونکہ زمرۂ اولیا میں ایسی بہت سی شخصیتیں پائی جاتی ہیں جنہیں بچپنے ہی ایسی عظمت اور عزیمت میسر آگئی ہے ؎

این بخت و سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تعلیم آپ نے کتب عزیزیہ مولوی محمد ابراہیم سے پڑھنی شروع کر دی تھیں۔ استاد کی توجہ اور اپنی ذہانت کے باعث بہت نمایاں ترقی کرنے لگے تھے کہ نواب سر صادق محمد خان صاحب عباسی والی ریاست بہاولپور نے مولنا فاروق احمد صاحب شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ اور مولوی سلطان احمد صاحب کو بمعیت مولوی عبدالمالک صاحب افسر مال بہاولپور آپ کی خدمت بھجوا کر ہدایت کی کہ وہ حضرت

قطب رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لیں تاکہ استعداد علمی معلوم ہو سکے۔

جب یہ حضرات حضرت کے ہاں تشریف لائے تو آپ کے مکرم استاد پریشان ہو گئے اور دل ہی دل میں کہنے لگے آپ ابھی بچے ہیں نجانے امتحان کا کیا اثر مرتب ہو حضرت قطب علیہ رحمۃ نے استاد کو مضطرب پاکر فرمایا۔ گھبرایئے نہیں۔ اللہ تعالےٰ کے کرم سے یہ مشکل بخوبی حل ہو گی۔ مولوی فاروق احمد صاحب نے حضرت سے فرمایا۔ کہ جہاں سے جی چاہے کچھ نہ کچھ سنا دیں تاکہ تعمیل حکم سرکار ہو جائے آپ نے فرمایا۔ مولنا آپ ممتحن مقرر ہو کر آئے ہیں یہ بد دیانتی ہو گی کہ آپ امتحان کو میرے منشا پر چھوڑ دیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ آپ جہاں سے چاہیں میرا امتحان لیں۔ چنانچہ مولنا نے کافیہ کی ابتدائی عبارت پڑھا کر تشریح چاہی تو آپ نے بغیر کسی تردد کے نہایت برجستہ الفاظ میں تشریحی تقریر فرمائی جس پر مولنا فاروق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور فرمانے لگے سبحان اللہ ع

(چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد)

بیعت کے بارے میں استفسار

سردار گل محمد خانصاحب نمبردار نے حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت آپ مرید کرتے وقت

مرید کو کیا کیا کلمات تلقین فرماتے ہیں آپ نے جواباً فرمایا سرداد صاحب کیا پڑھیں اور کیا پڑھائیں بس مرید کا ہاتھ پکڑا اور خدا کے ہاتھ میں دے دیا۔ ع

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ

وصال حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اوصاف حمیدہ اور فطرت پاکیزہ کی وجہ سے خاندان کو ریجہ میں از مہد تا لحد سراپا معصوم گذرے ہیں ابھی زندگی کی بارہویں بہار دیکھ رہے تھے کہ ۲۳ رجب المرجب ۱۳۴۳ھ کو واصل بحق ہوئے۔ اس سانحہ جوانا مرگی سے نہ صرف خاندان کوریجہ متاثر ہوا بلکہ ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ لوگ زار و نزار روتے اور کہتے تھے ؎

گر پیر نود سالہ بہ میرد عجبے نیست — ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

سجّادگی

تنازعہ سجادگی چونکہ خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ عنفوان شباب ہی میں وصال فرما چکے تھے اس لئے خاندان کو یہ بچہ چاچڑاں شریف کی مسند رشد و ہدایت کچھ عرصہ کے لئے خالی پڑ گئی تھی خاندان میں بزرگ ہستیاں موجود تھیں مگر یہاں سوال اہلیت کا تھا تاکہ کاملین کی مسند پر کامل ہی کا تصرف ہو۔ چنانچہ اس اہلیت پر خاندان کے دو بزرگوں کا نام پیش کیا جا رہا تھا خواجہ محمد شریف صاحب اپنے فرزند خواجہ احمد علی صاحب (جو حضرت نازک کریم کے نواسے ہیں) کا تقرر سجادگی چاہتے تھے اور اسی طرح نازکیہ تعلق داروں کی بھی آرزو تھی۔ اس کے مقابل خواجہ امام بخش صاحب رحم اپنے فرزند خواجہ فیض احمد صاحب (جو کہ حضرت فرید علیہ رحمۃ کے نواسے تھے) کا نام پیش فرما رہے تھے جن کے

ساتھ وقت کے درویش اور صلحا بھی ہم آواز تھے لیکن خواجہ فیض احمد صاحب علیہ الرحمتہ بذاتہ نہ اس منصب کے متمنی تھے اور نہ کوشاں۔

جب ایک ہی خاندان میں سجادگی کا معاملہ موجب نزاع بن گیا تو والی ریاست نواب سر صادق محمد خان صاحب نے مداخلت فرما کر حسب ذیل فیصلہ صادر فرمایا۔

نواب صاحب نے نہ صرف سجادگی کے بارے میں فیصلہ فرمایا بلکہ جائداد منقولہ و غیر منقولہ کے متعلق بھی احکام جاری کئے ہم اس موقعہ پر صرف سجادگی سے متعلق فیصلہ درج کرتے ہیں یہ فیصلہ تین سوالوں پر مشتمل ہے اور تیسرا سوال ہی سجادگی کا ہے۔

فیصلہ

تیسرا سوال انتخاب سجادہ نشین کے متعلق ہے مابدولت کہ حضور میں مخادیم عظام و مشائخ کرام کی جسقدر درخواستیں موصول ہوئی ہیں ان سے بالاتفاق یہ شہادت ملتی ہے کہ حضرت خواجہ فیض احمد صاحب جو کہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب قدس سرہ العزیز کے نواسہ اور ان کے حقیقی چچا حضرت تاج پاک کی اولاد ہیں۔ زاہد۔ متقی پرہیزگار عالم فاضل عاقل بالغ ہیں۔ خصوصاً حضرت خواجہ معین محمد صاحب جو کہ خاندان

علماء کے بزرگ ترین شخص ہیں اپنا سجادہ تسلیم کرتے ہیں لہذا وقت مقررہ پر ان کی دستار بندی کرادی جائے اور احکامات جاری کئے جاویں

دستخط

ہز ہائنس سرکار دولت مدار

نواب صادق محمد خان والی ریاست بہاولپور

. . . .

دستار بندی اس فیصلہ کو لے کر مولوی غلام حسین صاحب ہوم منسٹر چاچڑاں شریف تشریف لائے۔ مجمع عام جس میں خاندان کوریجہ کے بزرگان و دیگر علما بھی موجود تھے نواب صاحب کا فیصلہ پڑھ کر سنایا اور حضرت خواجہ فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی کرا کر مسند سجادگی پر بیٹھا دیا۔ دستور جاریہ کے مطابق دستار بندی کے لئے وہ سلاری کی دستار جو حضرت قاضی عاقل محمد صاحب علیہ رحمۃ سے تبرکاً چلی آرہی ہے جب حضرت خواجہ فیض احمد صاحب کے سر اقدس پر بندھائی گئی تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور لرزہ براندام ہو گئے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب سلاری کی عظمت کا

اثر تھا اور وہ اس بارگراں کی ذمہ داریوں کو محسوس فرما رہے تھے۔
اور ابتدا ہی سے وہ اس منصب جلیلہ کے تقدس کو قائم رکھنے کی فکر
میں پڑ گئے تھے چنانچہ فرمایا کرتے کہ مجھ پر یہ بوجھ ڈال کر میری آزادی
سلب کر لی گئی ہے۔ حالانکہ میں کسی طرح بھی اس لائق نہ تھا۔ سہ
بادشاہی میں بھی فقیری کا چلن رکھتے ہیں   دوش پر بار امانت کے اٹھانے والے

ہمارے معلومات کا ذریعہ

قبل اس کے کہ ہم حضرت خواجہ فیض احمد صاحب قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی پر روشنی ڈالیں۔ یہ واضح کر دینا ضروری جانتے ہیں کہ خواجہ صاحب سے متعلق جو کچھ بھی ہمارے معلومات ہیں ان کا ذریعہ ہمارے کرمفرما حکیم مقبول احمد صاحب ہاشمی ساکن الہ آباد ہیں، جنہیں خواجہ صاحب سے بیعت ہونے کا شرف بھی حاصل ہے اور آپ سے بیعت کی سعادت بھی نصیب ہے۔ اور آج تک اس خاندان سے قلبی واسطہ قائم ہے۔ ان کے علاوہ ہم نے خواجہ صاحب کے قریب ترین اقربا سے بھی حالات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر افسوس وہ اس بارے میں ہمارے معاون ثابت نہ ہو سکے

اے بسا آرزو کہ خاک شد

....

حضرت فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ خواجہ امام بخش صاحب علیہ رحمۃ کے فرزند اور خواجہ غلام فرید قدس سرہ العزیز کے نواسہ ہیں جب آپ پیدا ہوئے تو فرید علیہ رحمۃ نے اپنا لعاب دہن دیا اور زبان مبارک چسوائی اصل برکت یہاں سے شروع ہوئی مگر بظاہر اپنے والد ماجد جو حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اکبر بھی تھے سے بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ جب آپ سجادہ ہوئے تو حضرت ہوت محمد صاحب شیدہ انوی نے بھی آپ کو خاندانی طریق سے ہر طرح کی اجازت بخشی تھی گویا آپ پر کئی ایک بزرگوں کی نظر کرم نے فیض رسانی کا کام کیا۔

عصمت یہی وجہ ہے کہ طفولیت ہی سے آج تک آپ کی عصمت شہرہ آفاق رہی ہے ہزاروں عورتیں آپ کے جمال ظاہری پر فریفتہ ہوئیں اور فریب وخدع سے دام محبت میں پھنسانا چاہتی تھیں مگر بفضلہ تعالےٰ آپ ہمیشہ منزہ اور مبرا ہی رہے۔

تعلیم آپ نے علوم ظاہرہ کی تکمیل مولانا نبی بخش صاحب مرحوم سے کی تحصیل علم کے بعد ابتدائی دور میں بھی درس دیا اور دوران سجادگی میں بھی مخصوص طریقہ سے مخصوص افراد کو درس تصوف دیا کرتے تھے درس توحید و تصوف نہایت موحدانہ و متشرعانہ

ہوا کرتا تھا۔ کبھی خلاف ادب یا رندانہ انداز کا کوئی لفظ زبان حقیقت ترجمان سے نہیں نکلا۔ درس میں مولانا امام بخش صاحب جامپوری جو اس وقت کے سیبویہ کہلاتے تھے اور حکیم احمد بخش صاحب و مولوی غلام یٰسین صاحب جامپوری وغیرہم موجود ہوتے اور صحبت فیض ؒ سے فیض پاتے۔

تبحر علمی

آپ جب بھی کسی علمی موضوع پہ گفتگو فرماتے تو پیچیدہ مسائل کو نہایت لطیف پیرایہ میں بغیر کسی تکلف کے حل فرما دیتے تھے علما کرام متحیر رہ جاتے اور کہتے کہ حضرت ملا جلال ؒ کا دماغ لے کر آئے ہیں۔ بعض ایسے فنون علم جن کو آپ نے سبقاً کسی سے نہیں پڑھا تھا ان پر بحث ہو جاتی تو بھی آپ ان پہ سیر حاصل تبصرہ فرماتے اور ان کے عوامض و مطالب بیان کرنے میں درک کمال رکھتے تھے۔ کبھی کبھار اہل حضرات پوچھ بیٹھتے کہ حضرت آپ نے جن فنون کو حاصل نہیں کیا لیکن جب بھی ان پہ گفتگو فرماتے ہیں۔ تو ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی آخر اس میں کیا راز ہے اور یہ علمی فیض کہاں سے آ گیا ہے۔ اور کس طرح یہ مہارت تامہ حاصل کی گئی ہے۔ آپ جواباً یہ کہہ کر خاموش کرا دیتے تھے ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم   گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

مرزایت خواص کی مجلس میں فرماتے تھے کہ اکثر اوقات سفر میں متخیلین مرزایت سے سامنا ہوا چونکہ مجھے تردید مرزایت میں ملکہ کامل میسر ہے اس لئے وہ بیچارے فوراً ہی بھاگ جاتے تھے اور میرے دلائل قاطعہ کا ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔

علماو طلبا سے تعلق حضرت خواجہ فیض احمد صاحب علیہ رحمۃ علما اور طلبا سے بیحد محبت کرتے اور ہر طرح کے عنایات کا انہیں مستحق جانتے اس لئے آپ کے دربار فیض بار میں ہمیشہ علماو طلبا کی حاضری رہتی۔

مجاہدات ابتدائے عمر سے شاغل مشاغل الیہ رہتے آپ کا مجاہدہ ریاضت شاقہ متقدمین کی جھلک رکھتا تھا فاقہ کشی عالم طفولیت سے مرغوب طبع تھی سالکین کو بھی ابتدائی تعلیم فاقہ کشی کی دیتے اور سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھتے ؎

اندرون از طعام خالی دار
تا درو نور معرفت بینی

حضور بدرانتہ غذائے ظاہری سے بالکل بے احتیاج ہو گئے تھے استغراق بحید بڑھ چکا تھا قلب سے ذکر کی ایک دلکش آواز مسلسل اٹھتی رہتی چنانچہ تخلیہ کے موجبات میں ایک وجہ یہ بھی تھی تاکہ راز

منکشف نہ ہونے پائے۔ دل آرام دہر مگر دل آرام جو ہمیشہ رہے اور اس کے حریم ناز میں ہزار ہا سجدۂ عبودیت ادا کرتے گذری۔

آپ کا طرزِ تعلیم پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ذکر کرنے والوں کو تخلیہ اور پیٹ خالی رکھنے کی تبلیغ فرماتے اور کہتے کہ تمام نفسانی خواہشات کی جڑ پیٹ بھر کر کھانا ہے حجابات اور قلب کے زنگ آلودہ ہونے کا اصل سبب یہی ہے۔ جس نے قلب کی زنگ کو فاقہ سے صیقل کر لیا وہ قلب مطلع انوار الٰہیہ ہو گیا۔ سالکین کو اکثر ذکر جہر کی تلقین فرماتے اور تاکید کرتے کہ جہر میں مدو شد نہایت ضروری ہے۔ احضار برزخ بھی جملہ طرف میں ارشاد ہوتا ذکر کے بعد پاس انفاس نفی اثبات والا فرمایا کرتے اس کی مشق کاملہ و تامہ کے بعد اسم ذات کا پاس انفاس فرمایا کرتے لیکن حضرت نفی کی بڑی تعریف کرتے اور ارشاد ہوتا کہ اثبات اسی میں مضمر ہے۔

سالک کے حالات و امزجہ کے مطابق وظیفہ کی تعلیم ہوا کرتی تھی ان منازل کو طے کرنے کے بعد حبس کی مشق پر لگا دیتے بعض کو سلطاناً نصیرا اور بعض کو سلطاناً محمودا۔ مراقبہ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کا ارشاد ہوتا تھا۔ بعض لوگوں نے تسخیر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ سب برکات کلمہ شریف اور درود شریف و اتباع میں موجود ہیں یہ دونوں وظائف جامع

جمیع برکات ہیں۔ دین و دنیا ان میں بسا ہوا ہے۔ مگر ان کا مفہوم بدوں صحبت شیخ سمجھ میں آنا ناممکن ہے۔

حضرت سے تربیت کے اذکار کے متعلق کسی نے دریافت کیا تو فرمایا چشتیہ نظامیہ حضرات کے متداول طرق یہ ہیں۔ (۱) جہر (۲) پاس انفاس (۳) حبس ہر سہ قسم (۴) ارہ (۵) سلطانا نصیرا (۶) سلطانا محمودا (۷) برزخ کبیر مشاغل محمدیہ وغیرہ۔ اس کے ساتھ یہ تاکید فرمائی کہ اس معاملہ میں زیادہ تر باطنی توجہات کا کام ہوتا ہے اور برزخ شیخ کے شغل کو جامع اذکار و افکار بیان فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا متقدمین حضرات میں فقر کے اٹھارہ (۱۸) اسباق مقرر تھے اوساط نے ان کا اختصار کر کے چھ (۶) اسباق پر اکتفا کیا تھا پھر متاخرین نے تین اسباق مجوز فرمائے ہیں (۱) فنا فی الشیخ (۲) فنا فی الرسول (۳) فنا فی اللہ لیکن سلسلہ ہذا کے قلندر مزاجوں نے جملہ اسباق کا محور برزخ کو ٹھہرایا ہے لیکن اس کے سمجھنے کے لیے تعلیمات و تفہیمات شیخ کا دخل لابدی اور نہایت ضروری ہے آپ نے فرمایا کہ سالک جبتک اپنے شیخ کو مظہر ذات و صفات الٰہیہ نہ سمجھیگا کبھی مستفیض نہیں ہو سکے گا کیونکہ یہ شرط ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی بقول جامیؒ

بر مسند فقر چوں بہ بینی شاہے ۔۔۔ زاسرار طریقت بہ یقیں آگاہے
گر نقش کنی بہ لوح دل صورت او ۔۔۔ زاں نقش بہ نقشبند یابی راہے

سوال کا جواب

ایک سائل نے اختلافی مسائل کے متعلق دریافت کیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا جو عقاید شرح عقاید میں ہیں وہی ہمارا طریق عقیدہ ہے فقرا کا مسلک کوئی نیا نہیں ہے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ ایک حنفی المذہب انسان کو مسائل اختلافیہ میں نہ الجھنا چاہیئے بلکہ وہی طریق اختیار کرے جسے ہمارے شیوخ حنفیہ نے پسند اور اختیار کیا ہے۔

مزارات پر حاضری

حکیم مقبول احمد صاحب قریشی کا بیان ہے کہ میں نے متعدد بار تنقیدی اور تحقیقی نظر سے حضرت خواجہ صاحب علیہ رحمۃ کو مزارات کوٹ مٹھن شریف میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ آپ نے نہ تو مزارات کا طواف کیا اور نہ ہی سجدہ تعظیم بجالایا۔ بلکہ مسنونہ طریق پر فاتحہ پڑھتے کچھ دیر مراقبہ فرماتے پھر چلے آتے البتہ مراقبہ اور فاتحہ خوانی کے وقت طبع گرامی پر کسی خاص کیفیت کا اثر محسوس ہوتا جسے ہمارے عقول ناقص نہیں پہنچ سکتے۔

قبور اولیا کا طواف و سجدہ تعظیم

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں مسلک دین سمجھ لیں تاکہ مسئلہ کی نوعیت صحیحہ کا علم ہو سکے۔ قبور پر جانا اور فاتحہ پڑھنا مسنون فعل ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لیجاتے

اور فاتحہ پڑھتے تھے کیونکہ ایسا مقام ہر لحاظ سے عبرت آموز اور سوز افروز ہوا کرتا ہے جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اطہر میں مقیم ہو گئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے روضہ مبارک پر حاضری دیتے اور سلام عرض کرتے تھے امام مالکؒ و دیگر ائمہ مجتہدین کا معمول بھی یہی رہا ہے اُن میں سے نہ تو کسی نے طواف روضہ مقدس کیا اور نہ ہی سجدۂ تعظیم کی بنا ڈالی۔

مشکوٰۃ شریف باب عشرۃ النساء میں بروایت ابوداؤدؒ حدیث وارد ہے کہ ملک حیرہ میں قیس بن سعدؓ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہ کو سجدۂ تعظیم کر رہے ہیں اُس نے سرکار دو جہاں کے حضور عرض کیا کہ حیرہ کے لوگ اپنے بادشاہ کی تعظیم میں سجدہ کرتے ہیں۔ آپ ہر لحاظ سے دین و دنیا میں افضل اور اعلیٰ ہیں ہمیں اجازت ہو تو ہم بھی آپ کو سجدۂ تعظیم کرتے رہیں ہادی اکبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں قبر میں چلا جاؤں گا تو کیا پھر بھی ایسا کرو گے صحابی پر چونکہ تعلیم اسلام کا گہرا اثر تھا عرض کیا حضرت قطعی نہیں کیونکہ پھر وہ سجدہ قبر کو ہو گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا مت کرو سجدہ مختص بذات کبریا ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے۔ والمستحب فی زیارۃ القبور ان یقف مستدبرا لقبلۃ مستقبلا لوجہ المیت وان یسلم ولا یمسح القبر ولا یمسہ ولا یقبلہ فان ذالک من عادۃ النصاریٰ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ رحمۃ اپنی کتاب فتوی عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں۔ طواف کرنا صالحین و اولیا کی قبر کا بلاشبہ بدعت ہے اس واسطے کہ بت پرستوں کے ساتھ بہت مشابہت ہے کہ وہ بتوں کے گرد اگرد یہ عمل کرتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں بوسہ دادن قبر را و سجدہ کردن آنرا و کلہ نہادن حرام و ممنوع است و در بوسہ دادن قبر والدین روایہ فقہی نقل میکنند و صحیح آنست کہ لا یجوز است۔

حضرت مولانا رضا علی صاحب جو عالم باعمل اور اہل سوز میں سے تھے اپنی کتاب فیوض الرضا میں لکھتے ہیں طور جمع شدن بر قبور ایں است کہ مرداں بکروز معین نمودہ و لباسہائے نفیس و فاخرہ پوشیدہ و مثل عید شادماں شدہ بر قبرہا جمع شدند و رقص وغیرہ و سماع با مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجود بر آں قبر و طواف گرد قبور کردن حرام ممنوع است بلکہ بعض بحد کفر میر سندو ہمیں محل ہر دو حدیث است لا تجعلوا قبری عیدا و لا تجعلوا قبری وثنا۔ فتاوی عالمگیریہ بھی اس معاملہ میں خاموش نہیں رہا۔ اس میں لکھا ہے۔ و لا یمسح القبر و لا یقبلہ فان ذالک من عادۃ النصاری و لا باس بتقبیل قبر والدیہ کذا فی الغرائب۔ انتہی۔ اس کو حنفیہ پر یہ بھی یاد رکھ لینا چاہیئے کہ لفظ لا باس کراہت تنزیہی کو تقاضا کرتا ہے جیسا کہ

رد المحتار میں ہے - قال رد المحتار عن النهاية بلفظ لا ایاس دلیل علی ان المستحب غیرہ لان الیاس اشد ہ“ - ان عبارات کے نقل کرنے کے بعد بزرگان دین اور علمائے متقدمین جن کی شخصیت شریعت ومعرفت کی دنیا میں مسلم اور ممتاز ہے کا عقیدہ صاف طور پر بتلاتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی دین کی تائید میں طواف قبر اور سجدہ تعظیم حرام اور فعل نصاری ہے چونکہ سجدہ اور طواف جزویات عبادت میں ہیں۔ اس لیئے ذات قدس کے لیئے مخصوص ہیں۔ عبادت کو اللہ اور غیر اللہ میں مشترک نہیں کیا جاسکتا حتی کہ اگر جان کو خطرات کا شکار بھی ہونا پڑے تو بھی عبادت کے معاملہ میں غیر اللہ کی پرستش جائز نہیں یہی وجہ تھی کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو جب شہنشاہ جہانگیر نے سجدہ تعظیم کے لیئے مجبور کیا تو آپ نے صاف طور انکار فرمادیا جس کی پاداش میں آپ کو جیل کی تنگ وتاریک کوٹھڑیوں کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں مگر مرد حق آگاہ نے غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا اور جبین جھکانا گوارا نہ کیا باوجودیکہ اطیعوا اللّٰہ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی تاکید فرقانیہ ہر وقت ان کے سامنے تھی۔ یہی بات ہے کہ حضرت خواجہ فیض احمد صاحب قدس سرہ العزیز نے بھی وہی طریق اختیار فرمایا جس کی انہیں مذہب اسلام تعلیم کرتا تھا۔ ان کا یہ عمل لاریب ہمارے

لئے ایک نمونہ ہے یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مسلمانوں کا عقیدہ ان کے فکر طبع زاد کا محتاج بن گیا ہے کہ وہ سجدۂ تعظیم وغیرہ میں یہ فرق نکالتے ہیں کہ سجدہ تعظیم برائے تعظیم ہے نہ کہ برائے عبادت ہم عرض کرتے ہیں کیا وہ سجدہ جو بغرض عبادت کیا جاتا ہے سوز تعظیم سے خالی ہوتا ہے اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر ذات قدس کی تعظیم نہ ہو سکی اور جب تعظیم مفقود ہے تو پھر عبادت کی اصل روح ختم ہو گی اور ہمارے تمام سجدے جو کبھی کبھار ناگاہ ہم سے سرزد ہوئے ضائع اور رائگاں گئے۔ سہ

بہ زمین چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد
کہ مرا خوار کردی ز سجدۂ ریائی

غلو اور بے اعتدالی خواہ کتنی ہی حسین صورت کیوں نہ اختیار کرے اس وقت تک صحیح انداز دلربائی پیدا نہیں کر سکتی جبتک کہ اس کی تصدیق حاملین قانون شریعت نہ کریں اگر ارادت و عقیدت تابع قانون اسلام ہے تو موجب افتخار ہے ورنہ باعث خسران ایمان اور وجہ نفرت ہے۔

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

سہ

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

کمال حکیم صاحب قریشی کا بیان ہے کہ متعدد مرتبہ دیکھتا رہا ہوں کہ حضرت خواجہ فیض احمد صاحب علیہ رحمتہ سخت گرمی کے موسم میں لحاف اوڑھے بیٹھے ہیں اور آگ کا بخار گرم کر رکھا ہے کمرہ میں حدت اس قدر ہے کہ کسی دوسرے کو وہاں بیٹھنے کی مجال نہیں ہیں آپ کی اس عجیب کیفیت کو دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتا رہا۔ اسس کیفیت کے متعلق مولنا نور احمد صاحب پائی والے اور مولنا محمد یار صاحب و دیگر احباب حضرات سے دریافت کیا تو کسی نے تشفی نہ کرائی اتفاقیہ اجمیر شریف زیارت کی غرض سے جانا ہوا تو وہاں ایک بزرگ چشتی صابری سید محمد فاروقی شاہ صاحب جو حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت علیہ رحمتہ کی اولاد سے تھے اور بڑے صاحب کمال گذرے ہیں سے ملاقات کا شرف میسر آیا ان کی مختلف نشستوں میں بیٹھنا نصیب ہوا تو میں نے ان سے اپنے پیر و مرشد کی اس کیفیت کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ حدیث یاد نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غار سے گھر تشریف لائے تو فرمایا (زملونی) وہ کیا چیز تھی اور کون سی لرزہ براندمی تھی آپ کے پیر صاحب کیفیت محمدیہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہر سالک جب اپنی حقیقت انسانیہ جو کائنات کے ہر ذرہ ذرہ میں جاری و ساری ہے تجلیات و مشاہدات کے رنگ میں ملاحظہ کرتا ہے اور یہ سیر وہ حقیقت کسی

غیر کی نہیں ہوتی بلکہ اپنے حقایق و ظہورات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور انسانی و بشری صفات کے تحت جب عالم انکشاف میں سالک اپنی حقیقت انسانیہ کو زمہریری طبقات میں پاتا ہے تو فطرت انسانی کے زیر اثر اپنے تعین بشری میں برودت کے اثرات کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق اپنا انتظام فرماتا ہے جو عین سنت محمدیہ ہے۔ اور جب اپنی حقیقت بشریہ کو طبقات ناریہ میں جاری و ساری کرتا ہے تو اس انکشاف کے پیش نظر وہ اپنے تعین میں گرمی کے اثرات محسوس کرتا ہے تو پھر وہ عالم اسباب کے مطابق اپنی تدبیر کے تدابیر سوچتا ہے تو یہ بھی کیفیت محمدیہ ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا تم کو مبارک ہو کہ تمہارے شیخ فنافی الرسول کا مقام حاصل کر چکے ہیں۔ جو عین فنافی اللہ کا درجہ ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ تم نے صرف بارد واردات کا ذکر کیا ہے حالانکہ تمہارے شیخ پر گرمی بھی ضرور وارد ہوتی ہوگی چنانچہ مجھے اسی وقت یاد آگیا کہ واقعی میرے شیخ پر یہ عالم بھی طاری ہوجاتا تھا۔ بعض دفعہ موسم سرما میں فرماتے کہ جو بھی بہت ٹھنڈا پانی غسل کے لئے لائے گا اس کو انعام ملے گا چنانچہ لوگ کوشش کر کے بے انتہا ٹھنڈا پانی لاتے آپ اس سے غسل فرماتے مگر پھر بھی گرمی کم نہ ہوتی اس کیفیت کے بعد دیکھنے میں آیا کہ حضرت کا سایۂ وجود مفقود ہے جس سے فنافی الرسول ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

سایہ کا گم ہونا

حکیم محمد ابراہیم صاحب ساکن جنپور راوی ہیں کہ میں اور خواجہ عبد العزیز صاحب برادر خورد خواجہ فیض احمد صاحب و خادم خاص سعید احمد بیٹھے تھے کہ آپ چوبارہ سے نیچے تشریف لائے اور کچھ فرلانگ دُور چلے گئے دیکھا تو آپ کا سایہ نہیں تھا۔ حکیم صاحب کہتے ہیں کہ اس بارے میں ہم آپس میں گفتگو کرنے لگے تو حضرت نے پیچھے کی جانب ہٹ کر فرمایا حکیم صاحب کسی کے عیب کو دیکھ کر اسے ظاہر نہ کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے تو خواصہ پر بیٹھ کر جاتے تاکہ راز منکشف نہ ہونے پائے۔

کشف و کرامات

حضرت خواجہ فیض احمد صاحب رحمۃ علیہ کے حالات بتلاتے ہیں کہ آپ روحانی کمالات کی وجہ سے ولایت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے تھے۔ آپ کا قلب مقدس جلوہ گاہ انوار ایزدی ہو چکا تھا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے تو خواجہ ہوت محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیبہ الوی صرف اس غرض سے چاچڑاں شریف میں قیام پذیر ہو گئے کہ حضرت خواجہ فیض احمد صاحب کو کتب علم تصوف کا درس دیں۔ چنانچہ خواجہ ہوت محمد صاحب نے یہ طریقہ تجویز فرمایا تھا کہ سجادہ صاحب کی موجودگی میں دوسرے لوگوں کو لوائح جامی کا درس دیں اور خواجہ صاحب صرف سماعت فرمادیں۔ اس درس کا تیسرا دور تھا کہ خواجہ فیض احمد

صاحب نے فرمایا۔ دادا جان آج آپ جہاں سے چاہیں میرا امتحان لیں چنانچہ حضرت خواجہ سوت صاحب نے لوائح جامی کے وہ مشکل مقامات پوچھے جن کو آپ نے کبھی سبقاً نہیں پڑھا تھا آپ نے ایسی پر مغز اور فصیح تقریر فرمائی کہ خواجہ سوت محمد صاحب رحمۃ اللہ حیران ہو کر رہ گئے اور فرمانے لگے۔ بیٹا۔ میں سمجھا بیٹھا تھا تم تو ہر طرح سے فطرتاً علوم ظاہرہ وباطنہ کے محقق عالم ہو۔ آج کے بعد تجھے علم تصوف وغیرہ کے سبق دینے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا کشف ہر طرح سے عبور کامل رکھتا ہے۔

بروایت میاں محمود اختر صاحب حکیم مقبول احمد صاحب قریشی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز خواجہ فیض احمد صاحب نے محمود اختر صاحب کو فرمایا کہ خواجہ سوت محمد صاحب کو جا کر کہو کہ عالم کشف میں میری نگاہ ان مردوں اور عورتوں پر جا پڑتی ہے جو ننگے غسل وغیرہ کر رہے ہوتے ہیں جس سے مجھے کوفت ہوتی ہے۔ خواجہ سوت محمد صاحب مجمع عام میں بیٹھے تھے محمود اختر صاحب ان کے حضور آپ کا پیغام پہنچایا تو خواجہ سوت محمد صاحب نے فرمایا کہ آپ سے جا کر کہو کہ یہ راز کی باتیں ہیں یوں برسر عام ان کا اظہار درست نہیں ہوتا۔ اس طرح سے کیفیت دائرہ ختم ہو جاتی ہے حضرت صاحب نے سنا تو فرمایا میں بھی تو یہی چاہتا ہوں۔

حاجی عبداللہ ساکن چھٹان جو معمر بزرگ تھے حکیم صاحب سے بیان

کیا کہ جب خواجہ صاحب کی سجادگی کا تنازعہ ہوا تو وہ آپ کے مخالفین
میں سے تھے کیونکہ وہ خواجہ صاحب کو صرف ملاہی سمجھتے تھے نہ کہ
اہل سجادگی باوجود اس مخالفانہ روش کے لنگر کے وظیفہ خوار بھی تھے
وہ کہتے ہیں کہ ایک دن مجھے بتلایا گیا کہ آج وظائف تقسیم ہو رہے ہیں
تم بھی جا کر اپنا وظیفہ حاصل کر آؤ۔ حاجی صاحب اس وقت اتفاقاً حالت
جنب میں تھے۔ بغیر غسل کئے حضرت سجادہ صاحب کے ہاں چلے گئے
جب آپکے سامنے گئے تو آپ نے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور فرمایا
حاجی صاحب سے

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

سبحان اللہ۔ آپ نے کس لطیف انداز میں اپنے ایک مخالف کو
نہ صرف تنبیہ فرمائی بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ جسے تم صرف ملا ہی سمجھتے ہو
وہ آج تمہارے جنب زدہ ہونے پر بھی مطلع ہے اور مزید یہ ایک لطیف
اشارہ بھی ہے کہ اہل اللہ پر زبان طعن دراز کرنا اچھا نہیں اور ان کے ظاہر
پر ان کے باطن کا قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ہماری نگاہیں سراپا معصیت
زدہ ہیں اور اہل اللہ کی نظر میں عفت و عصمت کی آئینہ دار ہے

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت　　　　دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت خواجہ فیض احمد صاحب علیہ رحمتہ نے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے میاں اللہ بخش ملتانی جو تعمیر روضہ قبہ وغیرہ کرتا رہتا تھا کو پیغام بھجوایا کہ فوراً میرے والد صاحب کی قبر کے قریب تیسری قبر کا انتظام کرو۔ اس پیغام کے کچھ عرصہ بعد آپ کا جسد گرامی وہاں پہنچ گیا تو میاں اللہ بخش پر یہ راز واضح ہوا کہ آپ کا اشارہ اپنی قبر سے متعلق تھا۔

کیا آپ شاعر تھے

جن لوگوں کو علم باطن کی نعمت مل چکی ہو وہ علم ظاہری کی ہر نوع پر بھی عبور کامل رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ فیض احمد صاحب کیفیات طبع کے تابع شعر بھی کہہ لیتے تھے۔

کلام فارسی کی غزلیات پر مشتمل ہوتا تھا مگر خواص کو یہ تاکید تھی کہ ان غزلیات کو چاک کر دیا جائے۔ کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ کا کلام ہر لحاظ سے عوام کے لئے کافی ہے۔ اس وجہ سے آپ کا کلام تقریباً نایاب ہے ہم تک آپ کے صرف دو شعر پہنچے ہیں۔ ایک غزل کا مقطع ہے۔ ؎

نہ فیض احمد قریب رو سے تو بگرفت و مجنوں شد
دو صد لیلیٰ شود مجنوں گر از رخ پردہ بر داری

دوسرا شعر جو ہم تک پہنچا ہے اُس کے کہنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ ایک مرتبہ حضور صلعم فداہ امی وابی کی دستار کی زیارت کرانے والا شخص آپ کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت آج کل بعض لوگ دستار نبوی کو غیر مستند سمجھتے ہیں اور اعتراضات کرتے ہیں حضور از راہ کرم تصدیق فرمادیں تاکہ ہمارے لئے ایک حجت قائم ہو جائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قلم اُٹھا کر تھوڑے سے تفکر کے بعد یہ شعر لکھدیا۔

عاشقاں را چہ کار بہ تحقیق
ہر کجا نام اوست قربانیم

نواب صاحب کا مرید ہونا

نواب سر صادق محمد خاں صاحب عباسی والی ریاست بہاولپور کو جب شوق بیعت غالب ہوا تو انہوں نے علاقہ کے مختلف سجادگان اور بزرگ درویشوں کو اپنے یہاں مدعو کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا اور ہر درویش کے احوال پر نظر امتحان کرنے لگے حضرت میاں احمد دین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑاں شریف تحصیل لیاقت پور کی جانب زیادہ توجہ ہونے لگی چنانچہ یہ مشہور ہو گیا تھا کہ نواب صاحب میاں صاحب کے مرید ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نواب صاحب کی متجسسانہ نگاہ نے حضرت خواجہ فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی کئی بار اپنے یہاں بلانے کی استدعا کی

مگر خواجہ صاحب اعراض فرماتے رہے آخر مولوی رسول بخش صاحب ساکن چوہان کے پے در پے اصرار و تقاضا پر آپ نے نوابصاحب کی دعوت قبول فرمالی اور ویرہ نوابصاحب تشریف لے گئے۔

نوابصاحب خواجہ صاحب کی قیام گاہ پر ملنے کے لئے تشریف لائے تو خواجہ صاحب عالم استغراق میں تھے رسماً نہ تو استقبال کے لئے اُٹھے اور نہ ہی کوئی اور تکلف فرمایا۔ حضرت کی یہ بے نیازی اور بے ریا ئی طبع نواب صاحب کے دل پر ان کی عظمت بزرگی کا سکہ بٹھا گئی جس کا اثر یہ ہوا کہ نوابصاحب خواجہ صاحب کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے بیان کیا جاتا ہے کہ نوابصاحب اپنے مرشد سے ہم کلام ہونے کی جرأت تک نہیں کرتے تھے بلکہ مولوی رسول بخش صاحب کو حالات بیان کرنے کا ذریعہ بناتے اور مرشد کی موجودگی میں بھی تخاطب مولوی رسول بخش صاحب سے ہوتا تھا۔ نوابصاحب کے احترام و ادب سے ان کی درویش پسندی اور ارادت مخلصانہ کا پتہ چلتا ہے۔ نیز حضرت خواجہ صاحب علیہ رحمتہ کی حشمت روحانی اور الفقر فخری کے نظام محکم کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ ؎

با سلاطیں چوں قتد مرد فقیر
از شکوہ بوریا لرزد سریر

اب ہم ان مسودات کو نقل کرتے ہیں جو خواجہ فیض احمد صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی خواجہ حاجی عبدالعزیز صاحب کو زمانہ طفولیت میں لکھوائے اور یاد کرنے کی تلقین فرمائی۔ قبل اس کے کہ اصل مضمون مسودات درج کیا جائے یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ خواجہ صاحب کے مسودات کا رنگ عوارف کے اصول سے بھرپور ہے اگر انسان ان پر قلبی رجحان اور کماحقہ توجہ مبذول کرے اور پھر تائید ایزدی بھی رفیق حال ہو تو تزکیہ نفس ہونے میں کوئی رکاوٹ اور دقت پیدا نہیں ہو سکتی۔

مسودات میں بے ثباتی دنیا اور عظمت انسانی کا بلیغ انداز میں درس دیا گیا ہے۔ قدرت کی کرشمہ سازیوں اور جلوہ طرازیوں کو ایک ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ بغیر کسی تردد کے ذہن انسانی ہر ذرہ کائنات سے ایک ایسی پس پردہ ہستی کا نشان پا سکتا ہے۔ جو احاطہ عقول کی دسترس سے بھی باہر ہے۔ اور ناخن تدبیر و تحقیق بھی اس کے عقدۂ مشکل کو نہیں کھول سکتا۔ لیکن آپکی تحریر اتنا ضرور محسوس کرا دیتی ہے کہ بے ثباتی کسی کسے ثبات محکم کی نشاندہی کر رہی ہے۔

مسوّدات

(۱)

عجائبات کارخانۂ قدرت دیکھ کر انسان ضعیف البنیان کی عقل نارسا مبہوت و ششدر ہو کر رہ جاتی ہے۔ سورج کو دیکھو چھوٹے سے گیس نے اپنی عالمگیر شعاع سے تمام دنیا کو منور کر رکھا ہے۔ انسان خود ایک طلسم عقل ربا اور راز سربستہ ہے۔ ذرہ سا قطرۂ آب عظیم الشان ہستی بدل کر حضرت انسان کہلانے لگا ایک قطرۂ بمقدار میں قدرت کی سحر کاری نے وہ قابلیت پیدا کر دی جو دریاؤں اور سمندروں پر حکومت کرتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ وہی قطرۂ حقیر جو دنیا کو زیر و زبر کرتے ہوئے اپنی ہستی کی کچھ ایسی دھوم دھلچل مچا دی ہے جس کی بے پناہ طاقت کے روبرو تمام کائنات کانپ رہی ہے آج اس کے حیرت ناک کارنامے

دیکھو کہ کیا باور ہو سکتا ہے کہ یہ وہی قطرۂ ناچیز ہو گا۔

(۲)

انسان اشرف المخلوقات کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جبتک کہ اپنے آپ کو ظاہرہ باطنی نجاستوں سے پاک وصاف نہ کرے عام فہم لوگوں نے عبادت کا تعلق طہارت ظاہری تک محدود سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ بدوں طہارت باطنی تزکیہ نفس حقیقی معنی میں کبھی عبادت ادا نہیں ہو سکتی۔ تطہیر قلب کے ساتھ ایک نماز صرف طہارت ظاہری کے صدہا نمازوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ نماز صورت اور حقیقت دو چیز پر مشتمل ہے صورت کا تعلق جسم بندہ سے ہے حقیقت کا واسطہ روح اور قلب سے ہے لہذا تاوقتیکہ حقیقت حاصل نہ ہو نماز ناقص اور ناکمل رہے گی۔ دوسرا یہ ہے کہ بندہ اور رب کے درمیان نماز ذریعہ مواصلات ہے بحکم لاصلوٰۃ الا بحضور القلب۔ بندہ قبل اس کے کہ دونوں نجاستوں سے تطہیر حاصل نہ کر لے۔ حضرت قدس کی حاضری کے شایان شان نہیں ہو سکتا تطہیر باطن کی فضیلت وعظمت کی شان (وهم على صلواتهم دائمون) سے ظاہر و ثابت ہے یعنی جو بندہ ہمیشہ حاضر حق ہو وہ صلوٰۃ دائمی کا قائم ہو کر رہ جاتا ہے صلوٰۃ دائمی سے حقیقت مراد ہے نہ صورت نماز کے لئے تطہیر بدن شرط ہے ایسا ہی حقیقت نماز کے لئے تطہیر باطنی مطلوب ہے انسان

نجاست ظاہری سے تو اس قدر محترز اور متنفر ہے کہ بدن کا تھوڑا سا حصہ غلاظت سے ملوث ہونے پر پاک کرنے کے بغیر لمحہ بھر قرار نہیں پاتا مگر قلب اور روح جس کی بدولت بدن کو عزت حاصل ہے اور بدون اس کے بدن بیکار متصور ہو کر پھینک دیا جاتا ہے جتنا نجس اور ناپاک ہوتا چلا جائے پرواہ تک نہیں کرتا۔

۳

برادر عزیز

موت کو قریب سمجھو اور ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہو یہ دنیا مسافر سرائے کی مانند ہے یہاں کے قرار کا لمحہ بھر اعتبار نہیں مگر انسان کچھ ایسا غفلت شعار ہے کہ لیل و نہار موت کی خونخواری کا مہیب و جانگداز منظر پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا دل کبھی متاثر نہیں ہوا۔ دنیا کی ملمع کاری کے فریب میں ناداں بچوں کی طرح پھنس کر عقبیٰ کو بالکل بھلا رکھا ہے۔

۴

برادر عزیز

زندگی بہت قیمتی چیز ہے اس کو غفلت میں ضائع نہ کرو — چاہیئے کہ یہ کسی عظیم الشان کام میں صرف ہو (وہ یاد خدا ہے)

دنیا کا متاع فانی ہے اور ناپائیدار ہے۔ ناپائیدار چیز کی کیسی ہی دلفریب نمائش کیوں نہ ہو عقلمند کے روبرو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی ناپائیدار چیز کی مستعار نمائش پہ نادان بچے مائل ہوا کرتے ہیں عقلمند کے دل میں اس کے سلئے ہرگز جگہ نہیں ہو سکتی وہ ہمیشہ پائیدار کمال کا متلاشی رہتا ہے۔

وصال جشن جوبلی ۱۹۳۵ھ کے موقعہ پر نوابصاحب نے اپنے مرشد کو بہاولپور تشریف لانے کی دعوت دی آپ بہاولپور تشریف لے گئے بوجہ مجاہدات شاقہ آپ استخوان ہو گئے تھے نوابصاحب نے آپ کو علیل تصوّر کرتے ہوئے ڈاکٹر دیوان علی مرحوم کو علاج کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب نے کمال توجہ سے علاج شروع کر دیا مگر حالت طبع بجائے سنبھلنے کے گرنے لگی۔ اور استغراق بڑھتا چلا گیا بجانے لوگوں نے اس کیفیت کو علالت سے تعبیر کیا ہو مگر یہ کیفیت در حقیقت بہت ہی پاکیزہ اشتغال کی حامل تھی۔ آپ کا استغراق بہر طور بے ہوشی اور غشی سے پاک تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب بیماری کی وارداتوں سے مبرّا تھے مگر نظام قدرت کا وہ قانون جس کے سامنے نبیوں نے بھی جبین تسلیم جھکا

دی تھی خواجہ صاحب کو اس سے کب انکار تھا۔ پلنگ پر لیٹے رہے تھے کہ پلنگ سے نیچے اتر کر فرش پر سو رہے سامنے گلاب کے پھول کے پودے سے گلاب کا پھول توڑوا کر سونگھنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد دیکھا گیا تو آپ کی روح گرامی عالم قدس کو پہنچ چکی تھی۔ یہ سانحہ ۲ صفر ۱۲۷۹ھ کو پیش آیا ع

دریغا از جہاں رفت فیض احمد

انا للہ وانا الیہ راجعون

معدن اسرار حقیقت اور گنجینۂ معرفت کے جسد گرامی کو کوٹ مٹھن شریف میں لا کر ان کے بزرگان کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ نور اللہ مرقدہ

سجادہ نشین

گنجینۂ اسرار و معرفت سراج السالکین حضرت خواجہ فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب وصال کیا تو آپ کی اہلیہ دو یا تین ماہ کے حمل سے تھیں مدت حمل بسر ہونے پر خواجہ فیض فرید صاحب سلمہ اللہ تعالٰی کی ولادت ہوئی جس سے خاندان کوریجہ میں شادمانیوں کی لہر دوڑ گئی اور چاچڑاں شریف کا بجھا ہوا چراغ پھر سے روشن ہو گیا۔ پورے احتیاط کے ساتھ آپ کی پرورش اور تربیت کے انتظامات مکمل کیے گئے نواب صاحب بہاولپور کی جانب سے بھی گلشن عرفان کے اس نوخیز پودے کی نشو و نما کے لئے تدابیر عمل میں لائی گئیں جب آپ سن شعور کو پہنچے تو مولانا واحد بخش صاحب مدرس دربار عالیہ کوٹ مٹھن کے ہاں تحصیل علم کے لئے بٹھا دیے گئے مولانا نے نہایت شفقت اور

محبت سے آپ کو چند کتابیں پڑھائیں جب عالم بلوغ کو پہنچ گئے تو دستار
بندی کرا کر مسند سجادگی چاچڑاں شریف کے منصب جلیلہ سے ممتاز
کر دیئے گئے اس وقت آپ کی عمر انیس بیس برس کی معلوم ہوتی
ہے طبیعت میں سادگی بہت زیادہ ہے اکثر خاموش رہنے کے خوگر
ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تنہائی پسند بھی ہیں۔
مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ کو سیر و تفریح کا شوق بھی غالب ہے
خلیق ملنسار اور فطرت سنجیدہ کے حامل ہیں جس کسی سے بھی تعلق
قلبی پیدا ہو جائے اس کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر افسوس
اس بات کا ہے کہ بعض اغراض پسند رفقا نے آپ کے مخلصانہ
تعلق سے ناجائز فائدے اٹھا کر آپ کو رسوا اور بدنام کرنے کی مذموم
حرکتیں کی ہیں چونکہ آپ حلیم الطبع واقع ہوئے ہیں اس لئے ان کی
بروقت سرزنش نہ ہو سکی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بد خو عنصر کی حرکتیں بڑھتی
چلی گئیں آخر حالات کی پیچیدگیوں نے جب تنگ کر دیا تو پھر کہیں جا کر
ایسے رفقا سے منہ موڑ بیٹھے اور اپنے حالات کو سلجھانے اور ان کو
معمول پر لانے کے فکر مند ہونے لگے ہیں آج کل اپنے چچا صاحبان
خواجہ عبد الکریم صاحب و خواجہ عبد العزیز صاحب کے مشوروں سے کاروبار
کی تکمیل میں کوشاں نظر آتے ہیں اگر آپ کے بہی خواہان کا جذبہ بخیر رہا

تو بفضلہ تعالیٰ اچاچڑاں شریف کا یہ نوجوان سجادہ نشین اسلاف کی صحیح تصویر ثابت ہوگا۔ خواجہ فیض فرید صاحب اطال اللہ عمرہٗ سے ان کے عقیدت مند اچھی امیدیں وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ اپنے بزرگان عظام کا نمونہ عمل ثابت ہوں گے۔ ؎

ناامید نہیں ہے اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اللہ کا ہزار شکر ہے کہ حضرت فیض فرید سلمہ میں اپنے خاندانی روایات کو زندہ رکھنے کا احساس ہو چلا ہے۔ وہ انقلاب روزگار کے تلخ تجربات سے فائدہ اٹھا کر اپنے مستقبل کو سنوارنا اور سنبھالنا چاہتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بزرگان کے روحانی تصرّف سے وہ اپنے مشکلات پر پوری طرح قابو پالیں گے اور خاندان کوریجہ کا یہ چشم و چراغ اپنے نام کی عظمت کے باعث زمانہ قریب میں ایک عظیم الفطرت انسان ثابت ہوگا۔

این از من و از جملہ جہاں آمین باد

شیدائی میں بزرگان کوریجہ کی آمد

خواجہ احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے خواجہ تاج محمود صاحب سے بھی نظامیہ سلسلہ چلا ان کے پانچ صاحبزادے تھے۔

۳	۲	۱
خواجہ خیر محمد صاحب	خواجہ گل محمد صاحب	خواجہ محمد شریف صاحب

۵	۴
خواجہ غوث بخش صاحب	خواجہ نیر محمد صاحب

شیدائی شریف میں سلسلہ کی توسیع خواجہ غوث بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ اس سلسلہ کے حالات ہم نے مولوی واحد بخش صاحب قریشی ساکن شیدائی سے لئے ہیں جن کی عمر تقریباً نوے سال سے تجاوز کر رہی ہے یہ بزرگ حضرات شیدائی سے جہاں والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ وہاں اس خاندان عالیہ کے استاد ہونے کا بھی

اُنہیں شرف حاصل ہے۔ مولوی صاحب متقی زاہد اور عابد شخصیت کے حامل ہیں۔ اُنہوں نے حالات قلمبند کرنے میں بڑے احتیاط سے کام لیا ہے ایسی محقق شخصیت ہر لحاظ سے قابل اعتماد ہے۔ بزرگان شیدا نوی کی سیرت سے قبل ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ان بزرگان پر رندی مشرب غالب تھا بظاہر احکام شریعت کی پابندی نہ تھی اسی بنا پر اہل شریعت ہمیشہ نکتہ چینی کرتے رہے کیونکہ اہل شرح کا منصب امر و نہی کرنا ہے اور وہ اس لحاظ سے حق بجانب متصور ہوتے ہیں۔ البتہ مطالعہ اور تحقیق میں یہ واضح ہوا ہے کہ اولیاء کرام کا گروہ بھی کئی طبقات پر مشتمل ہے۔ بعض تو احکام شرعی کا بڑا لحاظ کرتے ہیں اور بعض بظاہر اس پابندی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے کو عوام کی نظروں میں حقارت و نفرت کا مجسمہ بنا دیتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بھی قانون شرعی کے پیروکار ہوتے ہیں جن کے رموز ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں اور ہمارا فکر وہاں محتاج پڑ جاتا ہے شہزادہ دارا شکوہ نے سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ صوفیا کا ایک گروہ وہ ہے جو اپنے آپ کو فرقہ ملامتیہ سے منسوب کرتے ہیں ان کی شناخت بہت دشوار ہے اُن کا ہر طریق ظاہر میں شرع سے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت شریعت حقہ کے مخالف نہیں ہوتے ان کا یہ طریق اس لئے ہوتا ہے کہ لوگوں کی

نظر میں قابل ملامت بن کر لوگوں کے ہجوم اور رجوع سے جو نقصانات ذکر الہی میں پیدا ہوتے ہیں ان سے اپنے کو محفوظ کر لے اس گروہ کے کسی فعل پر انگشت نمائی نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کے کاموں کی اصل حقیقت اور اسرار پر صحیح طور کسی کو اطلاع نہیں ہوتی۔ داراشکوہ کی یہ احتیاط بہر طور قابل پذیر آئی ہے۔ ملامتیہ طبقہ میں بھی اولیا کرام ہی کا وجود مسعود پایا جاتا ہے جن پر زبان طعن کھولنا عاقبت خراب کرنا ہے۔ ویسے بھی نکتہ چینی خواہ کسی طبقہ پر ہو معیوب اور مذموم چیز ہے۔ حضرت ذو النون مصری اور ابو تراب نخشبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ اپنے جس بندہ پر ناراض ہوتا ہے۔ اس کی زبان کو اولیا اللہ پر طعن و تشنیع اور اعتراضات و انکار کرنے میں دراز کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سبکو موہب بنائے اور حرف حدیث مہر و فا سے آشنا رکھے۔

ما قصۂ دارا و سکندر نخواندہ ایم
از من بجز حدیث مہر و وفا مپرس

خواجہ غوث بخش صاحب رح

خواجہ غوث بخش صاحب خواجہ تاج محمود صاحب علیہ رحمۃ کے چھوٹے
لڑکے ہیں فارسی تعلیم کی تکمیل کی اور علم عربی صرف نحو و صرف تک پڑھا
تھا کہ مشاغل ظاہرہ چھوڑ کر دریائے معرفت کی غواصی کرنے لگے۔
بے انتہا مجاہدات کرکے درجہ کمال کو پہنچے۔ والد کے ایما پر شیدانی
شریف کو اپنا مستقر بنایا اور چراغ ہدایت روشن کیا آپ نے خلیفہ محمد یار
رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت خواجہ تاج محمود صاحب سے مجاز تھے اکتساب
فیض کیا تھا۔

آپ کا دربار ہیبت شاہی کے حامل ہونے کے باوجود نخوت و
غرور کی آلائشوں سے بالکل پاک تھا۔ روزانہ مخلوق خدا کا ایک
جم غفیر آپ کے حضور حاضر رہتا مگر امیر و غریب کی کوئی تخصیص نہ ہوتی

یکساں طور پر ہر ایک سے حسن اخلاق کا برتاؤ کیا جاتا۔

لنگر لنگر کا انتظام وسیع پیمانہ پر تھا مہماں نوازی بدرجہ غایت تھی اس کے علاوہ اہل غرض پر جود و سخا کی بارش فرمایا کرتے تھے اور اپنے سلف کے طریق کار پر سختی سے پابند تھے۔

بیعت بیعت کرنے کے سلسلے میں محتاج رہتے اور فرماتے جبتک میرا شیخ مجھے اجازت نہ دے میں کسی کو بیعت نہیں کروں گا۔

نماز وغیرہ اس سلسلہ میں ہمارے پاس دو روائتیں ہیں ایک تو یہ کہ آپ باقاعدہ نماز پڑھتے تھے مگر جماعت کے ساتھ صرف صبح کی نماز ادا کرتے۔ اور نفل تہجد پڑھ کر صبح تک اوراد و وظائف میں مصروف رہتے تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ صوم صلوۃ کے پابند نہ تھے۔ قلندرانہ روش تھی جو کہ ملامیتہ طریق بھی کہلاتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

شادی آپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ ایک قاضی عاقل محمد صاحب کے خلیفہ شریف محمد صاحب کی دختر نیک اختر سے۔ دوسری مولوی محمد عظیم صاحب ترندہ مولویاں کی دختر مبارک سے۔

اوّل الذکر کے بطن گرامی سے خواجہ غوث محمد صاحب منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ اور حضرت خواجہ غلام رسول صاحب عرف گمن سائیں دوسری بیوی سے عالم وجود میں آئے۔

وصال شیدانی شریف کے منبع روحانیت حضرت خواجہ غوث بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۱ھ کو اس جہان فانی سے رخت سفر باندھ کر عالم بقا کو تشریف لے گئے مزار مبارک کوٹ مٹھن میں مرجع خلائق ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ غلام رسول صاحب عرف گمن سائیں نے سکندر نامہ تک تعلیم حاصل کی تھی آپ کی بیعت اپنے والد خواجہ غوث بخش صاحب سے تھی۔ صلوم وصلوٰۃ کے پابند اور تہجد گذار تھے بیحد منکسر المزاج واقع ہوئے۔ بڑے رکھ رکھاؤ والے بزرگ تھے پرانے دستور کے مطابق وضع داری ان کا شعار تھا سادگی طبع میں بھی اپنی نظیر آپ تھے۔ حضرت خواجہ غلام غوث صاحب رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ ان سے کم عمر تھے مگر آپ ان کا احترام اپنے شیخ کی طرح کرتے اور فرماتے جو بھی سجادہ ہو وہ ہمارا آقا ہے۔ کیونکہ شیخ کی مسند پر بیٹھا ہے۔ خواجہ غلام رسول صاحب علیہ رحمۃ

نے دو فرزند چھوڑے ہیں۔ خواجہ تاج محمود صاحب عرف کالا سائیں اور خواجہ جمال محمد صاحب۔ یہ دونوں صاحبان بفضلہٖ تعالےٰ اہل ثروت اور خلیق انسان ہیں بھائیوں کا باہمی اتحاد و اخلاص ہے۔

اللہ تعالےٰ انہیں اپنے سلف کا نمونہ بنائے۔ حضرت خواجہ غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۱۳۷۲ھ کو وصال فرمایا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

سجادہ نشین

حضرت خواجہ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے بعد مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے۔

تعلیم آپ طبعاً ذہین اور فطرتاً طبیعت صالح لائے تھے اپنے والد کی زندگی میں مولانا جند وڈہ صاحب بیسپوری سے علم عربی کی تعلیم پوری کر لی تھی تحصیل علم کے بعد مسجد میں حقانی پر بیٹھ کر چالیس برس متواتر فقہ و حدیث کا درس دیتے رہے۔ آپ سے علاقہ کے برگزیدہ افراد نے شرف تلمذ حاصل کیا جو انکے اس دور میں جہاں آپ علم کی دولت سے مالا مال ہو گئے تھے وہاں آپ نے عبادت و ریاضت کی محنت شاقہ سے اپنے رگ و پے کو بھی متوجہ الی اللہ کر رکھا تھا طبیعت ہر قسم کے تکلفات

سے بے نیاز ہو چکی تھی۔ کپڑوں کا ایک ہی جوڑا زیب تن رہتا۔ جب وہ پھٹ جاتا تو اس کے دریدہ چیتھڑوں کو خود سی لیتے۔ مگر اپنے والد صاحب سے کبھی نہ کہتے کہ مجھے کپڑوں یا کسی دوسری چیز کی ضرورت ہے۔ گویا ضروریات زندگی کی انہیں قطعی پرواہ نہ تھی مسجد اور حجرہ مسجد ہی ان کی ساری کائنات تھی آپ بظاہر تن آسانی کی دولت سے محروم ضرور تھے مگر باطن نور معرفت کے متاع بے بہا سے آراستہ ہو کر دنیائے دوں کی تمناؤں سے بے نیاز ہو گیا تھا۔

ایام سجادگی

علمی مشغلہ آپ کی طبیعت ثانی بن چکا تھا چنانچہ سجادگی کے دنوں میں بھی تصوف کی کتب لوائح جامی وغیرہ کا درس دیا کرتے تھے اس مجلس درس میں جلیل القدر علما کی جماعت بھی استفادہ کی غرض سے موجود رہتی۔ اس جماعت میں ہمارے استاد المکرم حضرت علامہ ارشد صاحب بہاولپوری کے والد ماجد حضرت مولنا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نائب الشیخ جامعہ عباسیہ بھی موجود ہوتے۔ حضرت مولنا پر شیخ کی ان صحبتوں کا بڑا گہرا اثر تھا۔ راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی کبھی حضرت سوہنا رحمۃ اللہ کا ذکر چھڑ جاتا تو استاد محترم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور دیر تک ٹھنڈی سانس لیتے رہتے تھے۔

حالات کا بدلنا

حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ چالیس سال متواتر علمی فیوض سے دنیا کو مستفید کیا تھا اور عبادت و ریاضت میں بھی یگانہ روزگار ہو گئے تھے جونہی تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو رجحان طبع یکسر بدل گیا رندیت کے ذوق نے آپ کے رگ و پے میں ایک ایسی بجلی بھر دی تھی کہ ہر وقت مست الست رہنے لگے۔ جبوم و جلوہ کی پابندیوں سے نکل کر کسی کے حریم جمال میں پابند ہو گئے تھے نہ تو خوف محتسب رہا تھا اور نہ ہی خطرہ دار و گیر بس ایک لگن تھی جس نے سارے قیود توڑ ڈالے جامہ پارسائی دریدہ ہوا تو جبر رندیت اوڑھ بیٹھے اور فرمانے لگے ؎

پارسا آداب میخوردن نمیداند کہ چیست

شرعی تکلفات تو برطرف وہاں اپنی ہستی کا بھی خیال نہ رہا تھا کہ جس پر اس کے تمام تقاضے پورے کئے جاتے جنون عشق میں جب جیب و گریباں کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔ تو انہیں سوزن تدبیر سے نہیں سیا جا سکتا۔ اس مقام پر فکر درماندۂ منزل ہوتا ہے اور عقل مجبور محض ہو کر تسلیم و رضا کے گھٹنے ٹیک دیتی ہے اور لحظہ بالحظہ شوق فزوں تر ہوتا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت خواجہ موصوف محمد صاحب قدس سرہ العزیز

ہر قسم کے تکلفات و تعینات سے بے نیاز ہو گئے تھے۔

علما کا احترام اور ایفائے عہد آپ ہمیشہ علما کی توقیر کیا کرتے تھے ان کے نزدیک دیوبندی اور بریلوی امتیاز قطعی نہ تھا۔ راقم الحروف کے والد مولانا محمد عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے پیر جھنڈے میں سند علم حاصل کی تھی فرماتے تھے کہ میں ہر سال اللہ آباد میں علمائے دیوبند کو بلا کر تبلیغی جلسہ کرایا کرتا تھا اس جلسے کے لئے حضرت ہوت محمد صاحب ہمیشہ امدادیہ چندہ مرحمت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ چندہ کی غرض سے حضرت کے یہاں حاضر ہوا تو فرمایا۔ مولانا گذشتہ سال کتنا چندہ دیا گیا تھا والد صاحب نے عرض کیا حضرت بیس روپے عطا ہوئے تھے۔ فرمانے لگے مولانا اس زمانہ میں تو فقیر دولتمند تھا آج بے انتہا عسرت ہے کچھ بھی پاس نہیں فقیر کے ہاں جب کچھ نہیں ہوتا تو فقیر کا دل غنی ہوتا ہے لہٰذا اس بار چالیس روپیہ دوں گا اور خود بھی جلسہ میں شرکت کروں گا جس دن کی صبح کو جلسہ کا آغاز تھا قضارا اسی رات حضرت غلام رسول صاحب گمن سائیں کی والدہ صاحبہ نے انتقال کیا۔ خواجہ صاحب جونہی نماز جنازہ وغیرہ سے فارغ ہوئے تو حضرت گمن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کہہ کر الہ آباد کو چل پڑے کہ میاں صاحب جو قدرت کو منظور تھا وہ ہوا

تم باقی امور کی تکمیل کرنا۔ میں نے ایک عالم سے عہد باندھ رکھا ہے بہر حال مجھے الہ آباد شامل جلسہ ہونا ہے تاکہ ان العہد کان مسؤلا کی گرفت سے بچ جاؤں حتیٰ کہ آپ الہ آباد تشریف لاکر زینت جلسہ کو دوبالا فرمایا اور چالیس روپے کے عطیہ سے بھی نوازا۔

اسی جلسہ کے موقعہ پر سراج السالکین

حضرت دین پوری سے ملاقات

حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دین پوری بھی تشریف لائے تھے۔ حضرت دین پوری کو جب خواجہ صاحب کی آمد کا علم ہوا۔ تو آپ نے خواجہ صاحب کی قیام گاہ پر حاضری کا ارادہ کیا۔ مگر ہوتی ہے خبر دل کو تا خبر سے پہلے ابھی وہ ارادے میں ہی تھے کہ خواجہ صاحب خود حضرت دین پوری کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ دونو شیوخ باہم بغلگیر ہوئے ان کے اخلاص و محبت کا سمندر موجیں مار رہا تھا بڑی دیر تک باہمی لطف و محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔ حضرت دین پوری نے پوچھا کہ حضرت آپ کی دید کا کیا حال ہے حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا الحمد للہ اب ٹھیک ہے آج بھی ایک سور مار کر آیا ہوں۔ حضرت خواجہ صاحب کا یہ کہنا تھا کہ حضرت دین پوری پر رقت کا عالم طاری ہو گیا۔ ادھر خواجہ صاحب بھی ضبط نہ کر سکے ان پر بھی کیفیت طاری ہو گئی اور کافی دیر تک دونو شیوخ اسی عالم میں مستغرق رہے

رہے بجائے اس جملے میں کیا بات تھی جو گہرا زخم کر گئی۔

بہر حال۔ بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

سلیم الطبعی روایات متواترہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی عالم دین حضرت خواجہ صاحب پر ان کی رندیت کے باعث گرفت کرتا اور شدتِ کلام سے پیش آتا تو آپ نہایت ہی حوصلہ کے ساتھ نہ صرف ان کی سختی برداشت کرتے بلکہ فرماتے واقعی میں خطاکار ہوں مجھے اپنی لغزشوں کا اعتراف ہے آپ حق پر ہیں میرے لئے دعا کریں اللہ تعالےٰ مجھے ہدایت کی نعمتوں سے سرفراز کرے۔

حضرت خواجہ صاحب کے اس اعتراف نے واضح کر دیا ہے کہ وہ سراپا علو درجات اور حامل برکات ربانی تھے۔ وسیع النظری ہی وسعت ظرف کی دلیل ہے اب ایسے لوگ کہاں بستے ہیں جنہیں اپنے مخالف اور معترض کا بھی لحاظ اور پاس خاطر ہوا کرتا تھا۔

ع شنیدم کہ مردان راہ صفا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ

کشف و کرامات آپ کے کشف و کرامات کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک

روز آپ کی محفل میں ایک اجنبی نے آکر عرض کیا کہ حضرت مجھ پر ناحق ایک سنگین جرم عائد کر کے مقدمہ درج کر لیا گیا ہے عدالت میں صفائی پیش کرنے کی ہمت نہیں پڑتی اور نہ ہی میرے پاس گواہان صفائی ہیں حضور توجہ فرماویں۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں تمہارا گواہ ہوں جاؤ مطمئن ہو کر بیٹھ رہو۔ وہ شخص اسی وقت چلا گیا تیسرے روز واپس آکر عرض کرتا ہے کہ حضور مجھے عدالت نے رہا کر دیا ہے۔

حکیم احمد یار صاحب ساکن شیدانی کا بیان ہے کہ ایک دن مجلس لگی ہوئی تھی کہ ایک شخص نے بطور نذرانہ کھجوروں کا ٹوکرہ پیش کیا۔ تو آپ نے حسب عادت ان کو تقسیم کرنے کے لئے جندوڈہ خاں پٹھان کو حکم دیا اس نے اہل مجلس پر ان کھجوروں کو تقسیم کرنا شروع کر دیا احمد بخش نامی ایک آدمی کو بھی اس کا حصہ دیا گیا لیکن حضرت نے فرمایا اس کو اس کے لڑکے کا بھی حصہ دیا جائے جندوڈہ خاں نے عرض کیا کہ حضرت اس کے تو کوئی لڑکا نہیں ہے آپ نے فرمایا اس کی بیوی کے بطن میں لڑکا موجود ہے اس لئے اس کا حصہ نکلنا چاہیئے تاکہ کوئی ہمسایہ اور حق دار محروم نہ

رہ جائے۔ اسی رات میاں احمد بخش مذکور کے ہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام جمعہ رکھا گیا آج تک شیدانی میں موجود ہے
بروایت حضرت بگن سائیں رحمتہ اللہ علیہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے ایک روز ایک آدمی کا کھانا لنگر سے منگوا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ اتنے میں ایک شخص کہیں دور کی منزل سے تھکا ماندہ آپہنچا۔ اور آتے ہی کہا کہ حضرت مجھے بھوک نے ستا رکھا ہے آپ نے فرمایا آیئے کھانا تیار رکھا ہے میں تو کبھی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔

اولاد

آپ کے دو فرزند ارجمند ہوئے۔ حضرت محمد عبد اللہ صاحب و حضرت پنوں میاں سائیں۔ پنوں میاں سائیں زمانہ طفولیت ہی میں انتقال کر گئے تھے بے انتہا خوبصورت تھے حضرت ہوت محمد صاحب اپنے اس حسین لخت جگر کو گود میں لینے سے اس لیئے احتراز کرتے کہ کہیں ان کی حسین شکل سے متاثر ہو کر تصور شیخ سے غافل نہ ہو جاؤں۔ حکیم احمد یار صاحب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ہوت رحمتہ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ پنوں میاں سائیں کی ولادت کے بعد بوقت تحنیک حضرت غوث پاک نے ایسی باتیں کی تھیں جن سے میں سمجھ گیا تھا کہ میرا یہ لڑکا بہت جلد وصال کریگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

خواجہ ہوت محمد صاحب علیہ رحمۃ

حضرت محمد عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے دوسرے فرزند ہیں آپ نے شرح عقائد تک اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی اور اپنے دادا حضرت غوث بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ فقر میں بادشاہ تھے خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے۔ شجاعت دلیری اور حیا کی آپ کی صفات کا اعلیٰ جزو تھیں۔ اعلیحضرت نواب صادق محمد خان صاحب کہا کرتے تھے صاحبزادہ صاحب اگر آپ جیسے دو آدمی مجھے میسر آجائیں تو میں دنیا کا خوش نصیب انسان ہو جاؤں گا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت غلام غوث رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ کئی بار فوٹو گرافروں نے آپ کا فوٹو اتارنا چاہا مگر ناکام ہوئے اچانک کیمرہ ان کے ہاتھ سے گر جاتا تھا۔ اس باوقار اور پرہیبت انسان سے بہت سے حیران کن واقعات ظہور میں آئے، وصال سے چند روز پہلے آپ پر محویت کا غلبہ طاری ہو گیا تھا۔ اسی عالم میں ۱۳۳۱ھ کو حضرت خواجہ ہوت محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں فردوس بریں کو تشریف لے گئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

خواجہ غلام غوث صاحب عرف بگن سائیں آپ کی اولاد نرینہ اولاد میں۔

خواجہ سوہت محمد علیہ رحمۃ جب اپنے دو نوں بیٹے بارگاہ ایزدی میں نذر گزار چکے تو دستور جاریہ کے مطابق خود کو بھی میدان عمل میں کودتا تھا آخر آپ پر بھی وہ وقت آپہنچا جس وقت کی پکار پر انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی برگزیدہ ہستیوں نے بھی لبیک کہہ کر جبیں رضا جھکادی تھی چنانچہ آپ نے بھی ۱۳۱۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔
رحمۃ اللہ علیہ۔

سجادہ نشین

حضرت خواجہ ہوت محمد صاحب علیہ رحمت کے بعد آپ کے پوتے خواجہ غلام غوث صاحب عرف بگن سائیں نے بائیس برس کی عمر میں مسند سجادگی کو رونق بخشی۔ پچھلے اوراق میں آپ نے پڑھ لیا ہے کہ خواجہ غلام غوث رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد خواجہ محمد عبداللہ صاحب نے حضرت ہوت محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا اس وقت حضرت غلام غوث علیہ رحمۃ کی عمر دو برس کی تھی۔ گویا بچپن ہی میں شفیق باپ کے سایۂ رحمت سے محروم ہو کر سنت نبویہ کے مطابق داغ یتیمی کی تلخیاں انہیں نصیب آئیں

حضرت خواجہ محمد عبداللہ صاحب کے اس غنچہ نوخیز کی آبیاری

آپ کے دادا حضرت ہوت محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت تندہی سے فرمائی۔ اور زمانہ کے مسموم تاثرات سے آپ کو محفوظ رکھا کیونکہ حضرت ہوت پاک رحمۃ اللہ علیہ کے دل کا سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک بجز خواجہ غلام غوث صاحب کے اب کوئی دوسرا وجود نہ تھا۔

بیعت آپ نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے داداخواجہ ہوت محمد صاحب کے دست حق پرست پر بیعت بھی کر لی۔ اور انہیں کے ارشادات پر طریقۂ نظامیہ چشتیہ کے دریائے معرفت کی غواصی فرمانے لگے۔

تعلیم آپ نے کتب عربیہ بھی اپنے جد امجد سے پڑھی تھی۔ خداداد ذہانت اور قابلیت کے باعث زمرۂ اہل علم میں ممتاز حیثیت حاصل کر چکے تھے۔ جب بھی کبھی علمی مباحثہ میں حصہ لیتے تو فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے دلائل قوی ہوتے انداز بیان دلکش ہوتا علم و ادب کے موتی پرونے اور اپنے حریف علم پر گوئے سبقت لے جاتے متاخرین کو ریحہ ہیں آپ کی شخصیت زور بیان اور دلائل و براہان میں یگانہ روزگار تھی۔ اردو فارسی اور عربی کے محاورات کو مناسب موقعہ پر ایسی

عمدگی سے چسپاں فرماتے کہ اہل علم داد دئے بغیر نہ رہ سکتے لطیفہ سنج بذلہ گو اور سخن فہم تھے۔ قدر جوہر جوہری داند کے اصول پر اہل علم حضرات کی عزت افزائی فرماتے رہتے۔

اخلاق بیحد خلیق متواضع اور ملنسار تھے دوستوں سے محبت کرتے اور دشمنوں کے قلوب کو مروت سے مسخر کر لیتے تھے مرنجان رنج ہونے کے باوجود تملق اور چرب زبانی سے متنفر اتہام طرازی کے دشمن صداقت و دیانت کے دوست اور وضع دارانہ روش پہ قائم تھے خوبصورت چہرہ اور حسین اداؤں کی وجہ سے علاقہ بھر میں ہر دلعزیز ہوگئے تھے۔ راقم الحروف ایک عرصہ تک آپ سے نہ صرف دور رہا بلکہ متنفر بھی کیونکہ آپ کے متعلق یہ بتایا گیا تھا کہ آپ متکبر اور مغرور الطبع ہیں لیکن جب موقعہ ملاقات میسر آیا اور تبادلہ خیالات ہوا تو ان الزامات کو سراپا بے بنیاد اور غلط پاکر دل ہی دل میں اپنی اس غلط فہمی پر استغفار کرتا رہا۔ آپ سے ملاقات کے بعد ایک گونا قلبی تعلق پیدا ہوگیا تھا پھر جب بھی شیدائی تشریف جانے کا اتفاق ہوتا تو حضرت سے ملاقات کئے بغیر چین نہ آتا۔

گھنٹوں باہمی گفتگو ہوا کرتی۔ ہماری سنتے اور اپنی سناتے

رہتے آپ کی گفتگو کا پہلو تمکنت اور وقار سے پُر ہوتا۔ ہر لفظ اور جملہ خلوص و محبت سے بھرا ہوا ہوتا تھا ہمارا باہمی یہ تعلق اس قدر استوار ہو گیا تھا کہ آج جب کہ آپ کا وجود مسعود ہم میں نہیں ہے پھر بھی وہ تعلق قائم اور باقی ہے۔

سلیم الطبعی

سلیم الطبعی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی کوئی معقول بات کی جاتی وہ فوراً اُسے تسلیم فرما لیتے گو کہ بظاہر وہ بات ان کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتی۔ میں نے کئی بار خود اُن سے چند نظریات پر اختلاف کیا تو کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد نہ صرف تسلیم فرمایا بلکہ اتنے تک کہہ دیا کہ واقعی میں غلطی پر تھا۔ ان کا یہ اعتراف ان کی اعلیٰ ظرفی اور معقولیت کاملہ کی دلیل ہے ورنہ اس دور میں کون کسی کی سنتا ہے البتہ یہ بات ضرور تھی کہ حضرت بگّن سائیں رحمۃ اللہ علیہ دلائل قویہ کے ساتھ غیر معاندانہ رویہ کا ہونا لازمی قرار دیتے تھے۔ یوں تو آپ سجادہ نشین تھے مگر موجودہ دور کے سجادگان سے ان کا عمل جداگانہ تھا۔ وہ جس کسی سے بھی مخلصانہ ربط قائم کر لیتے تھے اس کے نباہنے اور محفوظ رکھنے میں کبھی بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ہر روز اس تعلق کو مضبوط تر رشتوں سے جکڑتے رہتے چنانچہ ہمارے سامنے

مولوی محمد سعید صاحب مالک رحمانی فیکٹری لیاقت پور کی مثال موجود ہے کہ مولوی صاحب کا تعلق حضرت خواجہ غلام غوث رحمۃ اللہ علیہ سے گرچہ بہت بعد میں ہوا۔ مگر جب ہوا تو پھر اس تعلق کو حضرت نے یکجہتی اور اخلاص و محبت کے بے لوث جذبے سے ہمیشہ کے لئے اس قدر پختہ بنا دیا تھا کہ مخالفین کو ہر موقعہ پر منہ کی کھانی پڑی ہم اس موقعہ پر حضرت بگن سائیں علیہ رحمۃ کا ایک خط نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ خواجہ صاحب کس قدر بلند فطرت اور وسیع الظرف انسان تھے اور ان کی پہچان رفاقت و دوستی کے معاملہ میں کس قدر پاکیزہ اور ارفع تھی۔

۵۶/۱۱/۴

از شیدانی شریف — ابندیت بانمک یا رحمۃ العالمین

مکرم اکرم محترمی مولوی سعید احمد صاحب سلمہ اللہ

وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ مرسولہ مکتوبات موصول ہوئے خدا اپنے قدوس آپ کو علم و عمل کے مرکز ہونے کے علاوہ مستحقین اور شرفا دوستوں کے لئے ترقی اور اقتدار کے ساتھ سلامت رکھے آمین — آپ کا — غلام غوث

عقد نکاح آپ کا پہلا نکاح حضرت خواجہ فیض احمد رحمۃ کی ہمشیرہ صاحب سے ہوا جن کے بطن مبارک سے دو فرزند ہوئے اور وہ دونو یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کی رفیقہ حیات بھی اس دار فانی سے چل بسیں بعدہٗ دوسرا عقد نکاح ملک نور محمد صاحب حضرت والہ ضلع ڈیرہ غازی خاں کی دختر نیک اختر سے ہوا جن سے پانچ فرزند موجود ہیں اور آپ کی اہلیہ بھی بقید حیات موجود ہے۔

۱ غلام غوث محمد صاحب عرف بخشیدہ سائیں — ۲ محمد عبداللہ صاحب عرف لال سائیں — ۳ محمود طاہر صاحب عرف عاشق سائیں — ۴ محمد اکبر صاحب — ۵ محمد اصغر صاحب

وصال سے ایک روز قبل آپ کے وصال سے ایک روز قبل مولوی محمد سعید صاحب رحمانی مالک رحمانی فیکٹری لیاقت پور کی معیت میں راقم الحروف کو حضرت غلام غوث صاحب کے ہاں حاضری کا شرف میسر آیا۔ خلاف معمولی طور آپ نے اس ملاقات پر بے انتہا خلوص و مروت کا مظاہرہ فرمایا اپنے بچوں کی اہلیت و تربیت کے بارے میں بہت کچھ کہتے رہے گھنٹوں اپنے بزرگان کے کمالات اور ان کی کیفیات

موت پر پُرسوز تبصرہ فرمایا اور کہا کہ ہمارے خاندان کے بزرگان ہمیشہ اپنی موت کو فراخدلی سے قبول کرتے رہے ہیں آپ کی اس گفتگو میں یقیناً ایسے اشارات تھے جن میں ان کی اپنی موت کا اشارہ بھی پنہاں تھا مگر ہمیں یہ عقیدہ ان کے وصال کے بعد محسوس ہوا۔ دوران گفتگو میں میں نے کسی موقعہ کے لحاظ سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا ؎

بدریا غلط و باموجش در آویز
حیات جاوداں اندر ستیز است

شعر سنتے ہی پھڑک اُٹھے چشم پرنم ہو گئے اور مجھ سے بار بار یہ شعر سن کر فرماتے سبحان اللہ زندگی اسی کا نام ہے اور یہی مقام مومن ہے اللہ تعالےٰ ہمیں بھی ایسی زندگی نصیب کرے۔ آپ کی اس آخری مجلس اور فرمودات سے ہم دن بھر لطف اندوز ہوتے رہے شام کو رخصت ہو کر روانہ ہونے لگے تو آپ نے فرمایا میں کل سفر کا ارادہ کر رہا ہوں اگر قدرت کو منظور ہوا تو پھر ملاقات ہو گی۔ حضرت کی اس آخری ملاقات اور گفتگو کا احباب پر عجیب و غریب اثر تھا بار بار ان کا تذکرہ زبانوں پر آجاتا تو آپ کے بیان کردہ نظریات پر غور کرتے رہتے۔

شہادت

دوسرے روز دوپہر کے وقت معلوم ہوا کہ آپ شکار کو تشریف لے گئے تھے قضارا اپنے ہاتھوں بندوق چل گئی تو اس کا نشانہ ٹھیک دل پر بیٹھا۔

اللہ اکبر کا نعرہ زبان سے نکلا ہی تھا کہ علم و ادب کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ کو غروب ہو گیا۔ بوقت شہادت آپ کی عمر پینتالیس سال کی تھی۔

آپ کی شہادت کی خبر بجلی کیطرح پھیل گئی لوگوں کا ہجوم دہاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ کوئی ایسا نہیں تھا جو یہ کہتا ہو کہ بگن سائیں ہمیں یتیم کر گئے ہیں آپ کی شہادت لاریب پس ماندگان کے لئے سوہان روح ثابت ہوئی شیدائی میں ایک عرصہ تک صف ماتم بچھی رہی لوگ زار و زار روتے رہے آج بھی جب ان کا ذکر چھڑ جاتا ہے تو وابستگان غلام غوث چیخیں مار مار کر روتے ہیں۔

پرتو حسنت نگنجد در زمین و آسماں
اندرون سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ

سجادہ نشین

حضرت خواجہ غلام غوث عرف بگن سائیں رحمۃ اللہ علیہ جب حریم وصال کو پہنچے تو سجادگی کی دستار فضیلت سے خواجہ غلام سوت محمد صاحب عرف بخشندہ سائیں سلمہ اللہ تعالے سرفراز ہوئے آپ بگن سائیں علیہ رحمۃ کے بڑے فرزند ہیں زندگی کی بائیس بہاریں دیکھ چکے ہیں اپنے والد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ فارسی کی تعلیم سکندر نامہ تک مولانا واحد بخش سے حاصل کر کے جلالین تک عربی کتب پڑھی ہیں فاضل باپ کی تربیت کا آپ پر نمایاں اثر ہے۔ یہ جواں بخت وجواں سال سجادہ نشین فہیم عقیل اور منکسر المزاج واقع ہوا ہے۔ بزرگوں کا ادب کرنا اور چھوٹوں کا لحاظ رکھنا ان کی فطرت بن چکا ہے۔

والدصاحب کے ملنے والوں کے ساتھ بیحد محبت سے پیش آتے اور ان کا احترام کرتے ہیں ان کا اپنا حلقہ احباب بھی وسیع ہے حالات حاضرہ سے باخبر اور زمانہ کی نیرنگیوں سے آشنا ہیں شباب جوانی کی سرکشانہ روشوں اور اس کے مسموم تاثرات سے کبھی غافل نہیں رہتے۔ اخلاق حمیدہ اور عادات سنجیدہ سے سلف کے روایات کو زندہ رکھنے میں ہر وقت کوشاں نظر آتے ہیں۔ دل آئینہ کی طرح صاف رکھتے ہیں نہ تو لگی لپٹی سے کہتے ہیں اور نہ ہی ملمع کاریوں سے کام لیتے ہیں۔

خانگی معاملات کو نہایت ہوشیاری اور دانشمندی سے سلجھانے کی سعی جمیل کرتے رہتے ہیں اور اپنے مخلصین سے مشورہ کرنے سے کبھی خفت محسوس نہیں کرتے۔

بھائیوں پر نگرانی کے علاوہ ان کے ضروریات زندگی کا بڑا خیال کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام بھائیوں میں باہمی اخلاص اور رشتہ محبت قائم ہے اور وہ سجادہ صاحب کے احترام و اکرام میں قطعی بے پرواہ نہیں ہوتے۔

بلندی کردار کے باعث لوگوں کے قلوب و محبت کا مقام حاصل کر رہے ہیں۔ اگر اسی روش پر قائم رہے تو وہ

دن دور نہیں کہ لوگ پروانہ وار جائیں نچھاور کرنے کو تیار ہو جائیں اور یہ بھی اپنے والد کیطرح محبوب خلائق بن جائیں حسین صورت کے ساتھ اگر کردار بھی جمیل ہو تو ایسی شخصیتیں نادر روزگار کہلانے کی حق دار ہوا کرتی ہیں اور انہیں لوگوں کے قلوب کو مسخر کرنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ ع

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

پر عمل کرنے والے ہمیشہ کے لئے ایسے نقوش چھوڑ جاتے ہیں جنہیں نہ تو حاسد کے پلید ارادے مٹا سکتے ہیں اور نہ ہی زمانے کی تند و تیز ہوائیں انہیں محو کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں۔ انسان دولت سے نہیں بلکہ اخلاق حمیدہ و صفات جمیلہ اور فیاضانہ کردار ہی سے دشمن کو دوست بنا سکتا ہے اور دوستوں کو جان نثاری پر مجبور محض کر دیتا ہے۔ بخشیندہ سائیں کی خوش اخلاقی یقیناً ان کی رفعت منزلت کی آئینہ دار ہے ہماری دعا ہے اللہ تعالےٰ انہیں اپنے سلف صالحین کا نمونہ بنائے تاکہ حوت رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت مسرتوں سے لبریز ہو اور زمانے کے قبیح حملوں سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی رہے تری بے داغ

سجادہ نشین صاحب کے برادران کا مختصر حال

صاحبزادہ محمد عبداللہ صاحب عرف لال سائیں

آپ کی عمر بیس برس کو پہنچا چاہتی ہے اپنے والد سے شرف بیعت رکھتے ہیں فارسی کی تعلیم سکندر نامہ تک اور عربی جلالین تک پڑھی ہے وضع دارانہ روش پر قائم ہیں اخلاق حسنہ کے زیور سے آراستہ ہو کر مروت و اخلاق کا شیوہ رکھتے ہیں ہمت و مردانگی میں اپنے دادا کا مظہر ہیں۔

صاحبزادہ محمود طاہر صاحب عرف عاشق سائیں

اپنے بھائیوں سے ربط خاص رکھنے کے باوجود طبیعت مختلف پائی ہے۔ انوار سہیلی

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور اخلاق جلالی مولانا واحد بخش
صاحب قریشی سے پڑھ چکے ہیں علم عربی ابھی تک حاصل کر
رہے ہیں ذہین اور محنتی نوجوان ہے ذوق مطالعہ بیحد رکھتے
ہیں ہر طبقۂ خیال کی کتب ان کے زیر مطالعہ رہتی ہیں تقریباً ڈیڑھ
دو ہزار کتابیں ان کی لائبریری کی زینت ہیں اکثر کمرے میں تنہا
بیٹھے مشغول مطالعہ رہتے ہیں۔ صاحبزادگی کی خو بو سے بے نیاز
ہو کر اہل علم سے وابستہ محبت رہتے اور ان کے سامنے زانوئے
تلمذ تہ کرتے ہیں کسی قسم کا حجاب محسوس نہیں کرتے اس وقت
اس خاندان میں یہی ایک ایسا نوجوان ہے جسے علم کی لذتوں
کی سرمستیاں نصیب ہیں اللہ تعالےٰ انہیں علم کی نعمت غیر مترقبہ
سے سرفراز کرے ع

این از من و از جملہ جہاں آمین باد

اس وقت ان کی عمر سترہ برس کی معلوم ہوتی ہے

صاحبزادہ محمد اکبر صاحب و صاحبزادہ محمد اصغر صاحب	یہ دو نو جڑواں

پیدا ہوئے اس وقت سولہ سال کی عمر ہے۔ ادب و نیاز کیساتھ ہر
ایک سے پیش آتے ہیں حضرت خواجہ نو جہانیاں صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین مہاران شریف جن کے تورع و تقدس کا شہرہ ہے ان سے بیعت حاصل کر چکے ہیں اس وقت مڈل سکول شیدانی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

تعالٰی اللہ علما۔

شیدانی شریف میں خواجہ تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے خواجہ غوث بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی خواجہ شیر محمد صاحب بھی تشریف لائے اور شیدانی کو اپنا مسکن بنایا چونکہ دستار فضیلت حضرت خواجہ غوث بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر آچکی تھی اس لیے آپ نے بھی انہیں بحیثیت سجادہ کے تسلیم فرما لیا تھا جس کی وجہ یہ ہے کہ خواجہ تاج محمود صاحب نے اپنے فرزندان کو ہدایت اور وصیت فرمائی تھی کہ تم ایک بالش کپڑے کے لئے باہم قطعی نہ لڑنا یعنی دستار فضیلت جس کے سر آئی ہوگی آ کر رہے گی۔ ویسے خواجہ شیر محمد صاحب بھی اپنے وقت کے کامل بزرگ گذرے ہیں۔

خواجہ شیر محمد صاحب کے فرزند خواجہ احمد بخش صاحب ہوئے جن کے چار فرزند خواجہ خیر محمد صاحب خواجہ دین محمد صاحب غلام محمد صاحب اور خواجہ علی محمد صاحب معرض وجود میں آئے اس وقت شیدانی میں خواجہ دین محمد صاحب کی

اولاد میں خواجہ غلام شبیر محمد صاحب اور خواجہ غلام احمد صاحب موجود ہیں۔
خواجہ غلام شبیر محمد صاحب صوم و صلوۃ کے پابند اور خلیق انسان ہیں ان کے چھوٹے بھائی خواجہ غلام احمد صاحب ایک سلجھا ہوا نوجوان ہے علمی ذوق سے بہرہ اندوز اور حلیم الطبع ہیں اسکے چہرے سے سنجیدگی اور متانت ٹپکتی ہے اللہ تعالے خاندان کو ریجہ کے ہر فرزند کو اپنے بزرگان کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عطا کرے۔

گڑھی اختیار خاں میں بزرگانِ کوریجہ کی آمد

گڑھی اختیار خاں تحصیل خان پور کے بزرگان کوریجہ کے حالات قلمبند کرنے سے پیشتر ہم یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ ان بزرگان کے حالات ہمیں تفصیل سے مہیا نہیں ہو سکے ہرچند کوشش کی گئی مگر متعلقین نے کوئی تعاون نہ کیا اور نہ ہی کوئی ایسا سن رسیدہ بزرگ ملا جس سے گڑھی اختیار خاں کے بزرگان کے حالات کی تفصیل معلوم ہوتی۔ جو کچھ بھی لکھا جا رہا ہے وہ حکیم احمد یار صاحب ساکن شیدانی شریف کی روایت اور بیان ہے حکیم صاحب مذکور کی عمر اس وقت اسی پچاسی سال کے لگ

بھگ ہے انہوں نے اپنی یادداشت اور روایات معلومہ سے ہمارے استفسار پر بیان فرمایا اور ہم نے پورے احتیاط سے ان حالات کو ضبط قلم میں لایا ہے۔

خاندان کوریجہ کی شعاعیں ہر جگہ پھیل رہی تھیں چنانچہ اس خاندان کے برگزیدہ بزرگ حضرت خواجہ تاج محمود رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے حضرت خواجہ گل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے گڑھی اختیار خاں کو اپنا مسکن بنایا اور اس علاقہ کی روحانی آبیاری فرمائی۔

بیعت خواجہ گل محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت قبلہ عالم مہاروی سے دست بیعت تھے عمر بھر مجاہدہ کرتے رہے گڑھی اختیار خاں میں سجادہ مشیخت پر بیٹھے تو ولایت کے کرشمے دکھائے ہر وقت یاد خدا میں مشغول رہتے صوم وصلوٰۃ کے بڑے پابند تھے اور متعلقین کو بھی ادائیگی فرائض کی تاکید و تلقین فرماتے رہتے احترام شرح کا بڑا لحاظ کرتے اسوۂ حسنہ کے ایسے نقوش چھوڑے ہیں جو کبھی بھی محو نہیں ہو سکتے۔

درس آپ متبحر عالم تھے ہزارہا طلبا نے آپ سے علمی استفادہ کیا ہے اپنے شیوخ کے طریق پہ تدریس کرتے اور

مخلوق خدا کو دولت علم سے مالا مال فرماتے آپ سے کبھی کوئی ایسی
بات سرزد نہیں ہوئی جو خلاف شریعت محمدیہ ہو درویش کامل اور کشف و
کرامات کے حامل تھے۔ کمالات ظاہریہ و باطنیہ کیوجہ سے لوگ آج
تک انہیں گل مولا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے سلسلہ
نظامیہ چشتیہ کو بے انتہا فروغ دیا اور اپنے بزرگوں کے طریق پر لوگوں
کو مرید کرتے رہے۔

لنگر آپ کے زمانے میں لنگر کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا مخلوق
خدا کی خدمات کرنے میں فخر محسوس کرتے اور
اللہ اللہ کرنے والوں کے ساتھ خاص لگاؤ رہتا۔

اے گل بتو خورسندم ۔ کہ تو بوئے کسے داری

۱۹ ذوالحجہ ۔۔۔ کو وصال فرمایا آپ کا مزار مبارک کوٹ مٹھن
میں مرجع خلائق ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین

حضرت خواجہ گل محمد رحمۃ اللہ علیہ عرف گل مولا کے بعد آپ کے فرزند خواجہ محمود بخش رحمۃ اللہ علیہ نے مسند سجادگی کو زینت بخشی۔ اپنے والد کی طرح صوم وصلوٰۃ اور احکامات شریعت کے بڑے پابند تھے حضرت خواجہ غوث بخش رحمۃ اللہ علیہ شیدانوی کے مرید ہوئے۔ شیخ کامل اور عالم باعمل گذرے ہیں۔ کرامت کا یہ عالم تھا کہ جو کوئی بھی اپنی حاجت پیش کرتا قلم اٹھا کر کچھ لکھنے ہی پاتے تھے کہ فوراً سائل کا کام ہو جاتا انہوں نے بھی اپنے اسلاف کے طریقہ پر سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی تبلیغ فرمائی۔ . . . . . کو راہی ملک بقا ہوئے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سجادہ نشین

خواجہ محمود بخش رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند خواجہ الٰہی بخش صاحب نے بچپن ہی میں انتقال فرمایا تو خواجہ محمود بخش علیہ رحمۃ کے بعد ان کے بھائی خواجہ عاقل محمد صاحب سجادہ نشین ہوئے اور خواجہ غوث بخش گنشیہ الوی سے دست بیعت ہوئے آپکی تعلیم شرح ملا جامی شرح عغایہ تک تھی۔ مگر علم عرفان کیوجہ سے فاضل روزگار گذرے ہیں۔ زاہد متقی اور پابند صوم وصلوٰۃ صاحب کرامت وولایت تھے

خواجہ عاقل محمد رحمۃ اللہ علیہ عظمت نام کے لحاظ سے حضرت قاضی عاقل محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مظہر اتم تھے خلوص وعقیدت کے ساتھ اپنے سلسلہ کو خوب رونق بخشی۔ ۲ ر جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ ۔۔۔۔ کو انتقال فرمایا (رحمۃ اللہ علیہ)

سجادہ نشین

حضرت خواجہ عاقل محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے حقیقی بھائی
حضرت خواجہ نور محمد صاحب سلمہ اللہ تعالے سجادہ مشیخت پر
جلوہ افروز ہیں آپ قدوۃ السالکین خواجہ غوث بخش رحمۃ اللہ علیہ
شبیہ ثانی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اپنے شیخ کے
فرمودات پر تسلیم و رضا کی گردن جھکا کر کھلے روحانیت چنے
ہیں اس وقت خاندان کوریجہ میں آپ ہی کا وجود مسعود اصول
عوارف پر گامزن نظر آتا ہے ایک سو آٹھ برس کی عمر میں منبع
روحانیت کا یہ وجود بہزار کمالات خفی و جلی مخلوق خدا کا ملجا و
ماوی موجب برکت و رحمت الہی ہے۔
قحط الرجال کے اس دور میں خواجہ نور محمد صاحب کی ذات گرامی

اپنے اسلاف کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ اور سادہ زندگی میں جلال ولایت پنہاں ہے۔ باوجود کمال استغراق کے پنجگانہ نماز و دیگر اوراد کے ادا کرنے میں کبھی غفلت نہیں ہوتی ان کے مقربین کا بیان ہے کہ ایک ہی نماز کو کئی بار پڑھ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم لوگوں نے مجھے نماز کے وقت سے مطلع نہیں کیا چونکہ آپ کے کیفیات استغراق و محویت کا عالم طاری رہتا ہے اس لئے احتیاط کے طور ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔ تاکہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو اور ایک گونہ اس عمل سے مریدوں کو تعلیم کرنا بھی مقصود ہے۔ چہرۂ مبارک پر تجلیات ربانی جلوہ گر ہیں آنکھیں اکثر بند کئے رکھتے ہیں مگر ملنے والوں کے ساتھ کمال ہوش سے بات کرتے اور ان کی روداد سنتے ہیں مَن عَرَفَ نَفسَہٗ فَقَد عَرَفَ رَبَّہٗ کی تلقین فرماتے رہتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ اگر انسان اس حدیث گرامی پر عمل کرے تو مشاہدہ یار جمال بار ہوگا اور اپنی حقیقت نفس بھی معلوم ہو سکے گی اور جلوہائے ناز و کرشمہائے راز کے پا لینے میں کوئی دقت نہ ہوگی آپ کی عمر گرامی کا تمام حصہ دریائے معرفت کی غواصی کرنے گذرا اور

فقر فرید

ادارت

محمد بشیر اختر

محمد بشیر اختر ــــ الہ آباد، بہاولپور ڈویژن